# اسلام کا اقتصادی نظام

از

مفتی سید شجاعت علی قادری

شائع کردہ

شعبہ نشر و اشاعت مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان (رجسٹرڈ)

# اسلام کا اقتصادی نظام

اور

# اس پر ایک بحث

از

مفتی سید شجاعت علی قادری

مولانا جمیل احمد صاحب نعیمی ناظم شعبہ نشر واشاعت مرکزی جماعت اہلسنت
پاکستان (رجسٹرڈ) نے مشہور پریس سے چھپواکر شائع کیا۔

# پیش لفظ

یہودیوں کے پیش کردہ مہلک انسانیت نظام سوشلزم کے تاریک بادل ہمارے ملک پر چھا رہے ہیں اور اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی اس مقدس سرزمین پاک کو ایمان کے نور سے محروم کر دینے کیلئے تیزی سے امنڈتے چلے آرہے ہیں سوشلزم کے علمبردار قوم کی فطری آزادی کو سلب کرنے اور ملک کی ہر چیز پر مسلط ہو کر من مانی کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ سوشلسٹ طبقہ ملک کی غربت و افلاس دور کرنے کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور مسلمانوں کو روٹی کپڑا اور مکان کی ہوس میں مبتلا کرکے ان کے عظیم سرمایہ اسلام کو ان سے چھین لینا چاہتا ہے حالانکہ اسلام کا اقتصادی نظام ان غریبوں کے لئے پیغام رحمت ہے۔ پیش نظر کتاب کا یہی عنوان ہے۔

کتاب میں تفصیل کے ساتھ اسلام کے اقتصادی نظام کو پیش کرکے سوشلزم کا پرچار کرنے والوں کے ان عزائم کی بھی نقاب کشائی کر دی گئی ہے جن کے ذریعہ یہ لوگ اپنی اسلام دشمنی میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔

مرکزی جماعت اہلسنت اس کتاب کو پیش کرتے ہوئے عوام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ جماعت کے تبلیغی کاموں میں پورا پورا تعاون کریں، تاکہ جماعت تحریر و تقریر کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو یہودیوں کے پھیلائے ہوئے جال سے بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکے۔

خادم قوم - سید سعادت علی قادری - ناظم اعلیٰ مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان رجسٹرڈ - مسجد قصابان صدر کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

•

اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ خود
کو مسلمان کہلانے والے اسلام ہی کی جڑوں پر تیشہ کاری میں مصروف ہیں۔
وہ اس بات میں بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں کہ اگر انکی خدمت میں کوئی چیز
اسلامی پیش کی جائے تو اس پر لیبل غیر اسلامی ہے۔ آج دنیا [illegible]
کے دو نظاموں میں سخت بے چینی اور کرب سے تڑپ رہی ہے سفید سامراج
عرصہ دراز تک غلام سازی کے کاروبار میں مصروف رہا اور جب تک اس سے
ہو سکا وہ اپنی درندگی کو ننگی جارحیت سے تسکین دیتا رہا۔ اور بالآخر جب
اس کے دن پورے ہونے کو آئے تو مظلوم طبقہ غیر دانشمندانہ ردعمل پر اتر آیا
اور اس طرح تخریب پسند فتنہ پرور، اخلاق باختہ، متعصب مزاج، منکرین خدا
کی جماعت لڑتی بھڑتی توڑ پھوڑ کرتی آندھی کی طرح انسانیت پر چھا گئی
اس کے [illegible] نے اپنے اقتدار کا تخت [illegible] انسانیت [illegible]

بھایا۔ جو کھاتے پیتے تھے ان کے ہاتھ سے سب کچھ چھین کر برباد کر دیا اور جو بھوکے تھے انھیں دنیا کی حرص وطمع کی شراب پلا کر فتنوں میں مبتلا کیا اور جب وہ فتنوں کی نظر ہوگئے تو چالاک لیڈروں نے ہیش کوشی اس طرح شروع کر دی کہ فکر احتساب اور اندیشہ فردا بھی نہ رہا۔ اس طرح ایک سامراج کی جگہ دوسرے سامراج نے لی۔ پہلا سامراج نقاب پوش تھا یہ بے نقاب ہے۔ اس افراط و تفریط، عدم توازن اور عام بے چینی کا علاج اسلام ہی کے دامن سے وابستہ ہونے میں ہے۔

سوشلزم کے پھیلاؤ کا اصل سبب اقتصادی بہتری کا نعرہ ہے اور اس کے برعکس یہ خیال دین سے تنفر کے باعث عام ہو رہا ہے کہ اسلام اقتصادی نظام سے تہی دامن ہے اور یہ کہ آج کی معاشی بدحالی کا مداوا اسلام میں نہیں۔

زیر نظر مضمون میں اسلام کے اقتصادی نظام کو عام فہم انداز میں پیش کیا جارہا ہے۔ مضمون کی حیثیت ظاہر ہے کہ ایک ایسے مضمون کی ہے جو عام لوگوں کی معلومات کی خاطر لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب کسی ریاست میں نافذ کرنے کے لئے اس نظام کو پیش کیا جائے گا تو ان تمام قیود و حدود اور صلاحات میں پیش کیا جاسکتا ہے جو کہ دوسرے نظاموں میں موجود ہیں۔ میں اپنے ان مسلمان بھائیوں سے استدعا کرتا ہوں جو اسلام کو عزیز رکھنے کے باوجود اپنے معاشی نظام کے لئے سوشلزم کا سہارا ڈھونڈ رہے ہیں کہ وہ بغور اسلام کے پیش کردہ نظام کا مطالعہ فرمائیں اور پھر مجھے مطلع کریں کہ آیا انھیں کو اس نظام میں کچھ کمی نظر آتی ہے ؟ ! اگر یہ نظام مکمل ہے اور یقیناً مکمل

ہے تو بحیثیت مسلم ہمارے لئے اس کو اپنانا ضروری ہوگا۔ کچھ سادہ لوح
مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بحیثیت مذہب مسلم ہیں لیکن اقتصادی حیثیت
سے ہم سوشلزم اختیار کر لیتے ہیں تو ایسے لوگ خواہ اپنے دل میں اپنے آپ
کو کچھ ہی سمجھیں مگر خدا کے فیصلے کے مطابق اسلام میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون"

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے وہ
کافر ہیں۔ جبکہ ایک شخص برضا و رغبت اسلام کو قبول کر لیتا ہے تو اس کے لئے
کسی ازم سے ناطہ جوڑنے کا حق رہتا ہے اور نہ ہی اسلام کے نظام کے علاوہ
کسی نظام کو اپنانے کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

## ایک واقعہ

ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ اسلام لانے کے بعد
ہم کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن سلام
رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے تو اونٹ کے گوشت کو حرام سمجھتے تھے اور اس
کو کبھی استعمال نہ کرتے تھے جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو ایک دن رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جب ہم یہودی تھے تو اونٹ
کے گوشت کو حرام سمجھتے تھے اور اسے کبھی استعمال نہ کرتے

تھے لیکن اب جبکہ ہم اسلام لے آئے تو مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اونٹ کا گوشت استعمال کرتے ہیں، لیکن ہمیں اس سے کراہت آتی ہے لہٰذا ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم حسب سابق اس کے استعمال سے اجتناب کریں"

تو اس پر قرآن کریم میں آیت نازل ہوئی:۔

"یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ"

یعنی اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ۔ یعنی جب تم مسلمان ہو گئے تو تمہارے لئے یہودیت کی طرف میلان کی کچھ گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

اب آپ غور فرمایئے کہ قرآن ہم سے کیسے اسلام کا مطالبہ کرتا ہے! اگر واقعی ہم ایسے مسلمان ہیں تب تو ہم اپنے ایمانی دعوے میں سچے ہیں ورنہ خود فریبی کا شکار ہیں اور اسلام کو خواہ مخواہ بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسلام کو ایسے لوگوں کی قطعی ضرورت نہیں۔

اب میں اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

## "اقتصاد"

آپ نے بارہا یہ لفظ مختلف صیغوں میں مستعمل ہوتے سنا ہوگا مثلاً اقتصادی، اقتصادیات وغیرہ۔ عربی زبان میں اس لفظ کے معنی ہیں:۔ "درمیانی چال" اور معاشیات کی اصطلاح میں اس کے معنی ہیں ایسے وسائل

کا دریافت کرنا جو دولت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقوں اور اس کے مناسب خرچ اور اس کی بربادی کے صحیح اسباب کی اطلاع دیں۔

علم الاقتصاد کے دو شعبے ہیں، اجتماعی اور انفرادی۔ اس علم کو دنیا بھر کے مفکرین نے اپنا موضوع سخن بنایا اور اس پر دماغی کاوشیں خرچ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی یونان کے افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریہ (REPUBLIC) میں اس مسئلہ کو بیان کیا، کیسل (CASSEL) مل (MILL) سمتھ (SMITHS) ریکارڈو اور جون نے اس مسئلہ پر کافی بحث کی اور آخر میں کارل مارکس نے اشتراکی نظریہ ایجاد کیا اور یورپ بلکہ مشرق و مغرب کے بہت وسیع تر علاقے اس کی زد میں آ گئے۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ان لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین اور وضع کردہ اصولوں میں کوئی بھی انسان کی ارفع و اعلیٰ اقدار کا ضامن نہیں۔ کسی سے سکون قلب اور اطمینان روح حاصل نہیں۔ کوئی بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔

افلاطون نے اقتصادی حیثیت سے انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا یعنی آقا اور غلام اس طرح اس نے اقتدار اعلیٰ انسان کو سونپ دیا تاکہ وہ اپنے دیگر بنی نوع پر ظلم و زبردستی کرنے میں آزاد رہے۔ اپنے صنفی تعلقات میں انارکی روا رکھ کر معاشرے میں گندا ماحول پیدا کیا، یورپ کا نظام جمہوریت مالداروں کی جھولیاں بھر رہا ہے یہی حال روما اور فارس کے نظاموں کا ہے یہ فارس ہی سے جو مزدک کی حیا سوز تعلیم سے بہرہ ور ہوا۔ اشتراکیت بھی ایک مخصوص طبقے کی بادشاہت اور حکمرانی کی مدعی ہے۔ اور وہ ہیں مزدور اس طرح وہ بھی عدل

انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔ اس میں سوائے حیوانیت، اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کے کچھ سکھایا نہیں جاتا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسلام کے نظام معشیت سے متعلق ایک بہترین اور سادہ تقریر فرمائی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں انکی معاشی حیات کے لئے سب کچھ سامان فراہم کر دیا اور ان سب کو سب کے لئے مباح کر دیا اور عام کر دیا تو ان چیزوں سے مستفیض ہونے کے لئے انسان ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ گئے اور مزاحمت و مناقشت کا دور دورہ ہو گیا تب اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سبقت کر کے کسی شے کو اپنے قبضہ میں کرے یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس کی وراثت میں آجائے یا ان کے علاوہ ایسے ہی دوسرے طریقوں سے قبضہ ہو جائے تو ایسی صورت میں اب دوسرے شخص کو مزاحمت کا حق حاصل نہیں۔ البتہ دوسرے کی مقبوضہ شے کو حاصل کرنے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کے ذریعے اور لین دین کے طریق پر تبادلہ کی شکل پیدا کرے یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی کا معاملہ اس طرح انجام پائے کہ ہر دو جانب اس کے متعلق صحیح علم ہو اور اس معاملہ میں التباس اور دھوکے کو دخل نہ ہو اور نہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی گئی ہو نیز جبکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون اور اشتراک کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے تعاون اور باہمی اشتراک عمل کو واجب کر دیا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونے

کا حق حاصل نہیں جو تمدن میں دخیل ہیں مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیں۔

نیز اسباب معیشت کے اسباب بننے میں اصل الاصول یہ ہے کہ اموال مباح میں سے کسی شے کو اپنے قبضہ میں لیا جائے یا ان اموال مباح کے وسیلے سے جو کہ مال ترقی کا ذریعہ بنا کرتے ہیں اپنے مقبوضہ اور مشخص مال کو ترقی دیجائے مثلاً چرائی کے ذریعے سے چوپایوں کی افزائش نسل یا زمین کی درستی اور پانی کی سیرابی کے ذریعہ سے زراعت و کاشتکاری کیلئے لیکن مال مباح کو اپنے لئے خاص کرنے یا دوسرے مباح اموال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں شرط اولین یہ ہے کہ تصرفات اس طرح عمل میں نہ آنے پائیں کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لئے معاشی ذرائع کی تنگی اور ضیق کا باعث بن جائے اور اس طرح تمدن کو فاسد و برباد کر دے (یعنی جبکہ حلال وسائل معاش سب کے لئے یکساں طور پر مباح ہیں تو اب کسی شخص کو اپنے شخصی معاش کے لئے اسی قدر اس میں تصرف اور دعویٰ ملکیت جائز ہے کہ اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی زندگی کی پریشانی کا باعث نہ بن جائے اور اس کی دولت مندی دوسروں کے لئے افلاس اور فقر کا موجب نہ بنے پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر معاشی معاملات میں لوگوں کے درمیان باہمی تعاون اور اشتراک عمل کے مالی ترقی اور بڑے کار نہ آئے تو تمدن کا صحیح اور سالم رہنا دشوار تر ہو جائے گا۔ مثلاً ایک چاہتا ہے کہ تجارتی مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جائے یعنی تجارت کو ذریعۂ معاشی بنانا چاہتا ہے یا مثلاً ایک دوسرا شخص اپنی مکمل جدوجہد کے ذریعے

دوسروں کے مال کی دلالی کرتا ہے۔ یعنی محنت کو ذریعہ معاش بناتا ہے یا ایک تیسرا شخص اپنی نئی نئی پسندیدہ ایجادات کے ذریعہ دوسروں کے مال کو بیش قیمت اور بہتر بناتا ہے یعنی صنعت و حرفت کرتا ہے اور اس طرح دوسرے جائز طریقے اختیار کرتا ہے تو ان سب صورتوں میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہو سکتی۔

بہر حال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون و اشتراک عمل ضروری ہے اور اگر یہ مالی ترقی ایسے ذریعے سے کی جائے کہ اس میں سرے سے تعاون کا کوئی دخل ہی نہ ہو جیسے جوئے کا کاروبار یا ایسے طریقے سے اشتراک ہو کہ بظاہر تو تعاون نظر آتا ہو لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون ہو۔ حقیقی تعاون نہ ہو جیسے کہ سودی کاروبار میں ہوتا ہے کیونکہ سود دینے والا اپنی مجبوریوں کے پیش نظر سود دینے کو اختیار کرتا ہے جس کو رضامندی نہیں کہہ سکتے۔

(ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد ۲)

شاہ ولی اللہ صاحب کی تقریر کے اقتباسات سے چند باتیں واضح ہوئیں

۱۔ زمین اور پیداوار زمین سب کے لئے مباح ہے۔ ہاں اس کا تعین و تشخیص اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے لئے جائز طریقوں کی [illegible] کیا گیا ہو اور اس میں فطری تفاوت ناگزیر ہے۔ یہی بات قرآن کی واضح تعلیمات میں ہے۔ ارشاد ہوا کہ۔

| | |
|---|---|
| نحن قسمنا بينهم معيشتهم في | ہم نے لوگوں کے درمیان |
| الحيوة الدنيا ورفعنا بعضهم | ان کی معیشت کو دنیا کی |

فوق بعضٍ درجٰت۔

(زخرف)

زندگی میں تقسیم کیا ہے۔ اور بعض کو بعض پر معیشت میں درجوں بلندی دی ہے۔

۲:۔ اللہ یبسط الرزق لمن یشآءُ و یقدر،

(رعد)

اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔

۳:۔ ھو الذی جعلکم خلٰئف الارضِ و رفعَ بعضکم فوقَ بعضٍ درجٰت لیبلوکم فی ما آتاکم،

(انعام)

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

۴:۔ واللہ فضّلَ بعضکم علی بعضٍ فی الرزق فما الذین فُضّلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فیہ سواء افبنعمۃ اللہِ یجحدون۔ (نحل)

اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زائد رزق دیا گیا ہے اگر وہ اپنی روزی کو زیردستوں پر لوٹا دیں کہ اس روزی میں

سب برابر ہو جائیں پھر کیا یہ
لوگ اللہ کی صریح نعمتوں کے
منکر نہیں ہو رہے ہیں۔
. . . . (نحل)

اللہ تعالیٰ کے یہ واضح احکامات رزق میں بعض افراد کی فضیلت میں یہ حکمت بتاتے ہیں کہ غنی کو جو زائد دولت دی ہے وہ معاشی دستبرد کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ جتنی جس کے پاس زائد دولت ہو وہ یہ سمجھے کہ اس پر اتنے ہی اجتماعی حقوق عائد ہوں گے اور اس کی شرافت کی علامت یہی ہے کہ وہ اس کو زیردستوں پر خرچ کرے ورنہ وہ اللہ کی رحمت کا منکر ہے ادھر غیر متمول کو ہدایت ہے کہ وہ ناشکری نہ کرے اور نہ ہی دل میں بغض و حسد کو جگہ دے چنانچہ ارشاد ہوا۔

ولا تتمنوا ما فضل اللہ به بعضکم علیٰ بعض ۔ اور تم اس چیز کی آرزو نہ کرو جس میں اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

۲:۔ معاش کے حصول میں ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں جن کی وجہ سے دوسرے افراد پر تنگی رزق نہ ہو۔

۳:۔ معاشی معاملات میں باہمی تعاون و اشتراک ضروری ہے۔

۴:۔ معاشی تعاون صالح معاشی نظام کے مطابق ہونا چاہیئے اس میں سب کی نیت صاف ہونی چاہیئے۔

۵:۔ اسلام کے پیش کردہ صالح معاشی نظام میں وہ تمام معاملات ناجائز

ہیں جن میں تعاون باہمی کا مطلق دخل نہ ہو بلکہ ایک فرد کی خوشحالی دوسرے افراد کی بدحالی میں مضمر ہو، جیسے جوا اپنی تمام مہذب اور غیر مہذب اقسام کے ساتھ، سود اپنے نئے اور پرانے طریقوں کے ساتھ خواہ وہ مرکب ہو یا مفرد حرام ہے۔

۶:- اگر کوئی شخص اپنی مجبوریوں کے تحت کسی ناجائز معاملہ پر رضامند بھی ہو جائے تب بھی وہ ناجائز ہے کہ یہ رضامندی بھی جبری ہے: مثلاً ایک مجبور شخص اجارہ اور رہن میں کسی غلط شرط کو قبول کر لیتا ہے تو اسے رضامندی نہیں کہا جا سکتا، اسلام اور خدائے کائنات کے نزدیک ایسے تمام معاملات باطل اور صریح ظلم ہیں، صالح معاشی نظام میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں خواہ ان کے لئے ظاہری فائدے کتنے ہی خوشگوار کیوں نہ ہوں اس لئے کہ اس قسم کا کاروبار عوام کی بدحالی اور ان کے افلاس پر منتج ہوتا ہے اس لئے مہاجنی سود اور بنکوں کا سسٹم دونوں ہی ملعون طریقے ہیں اسی طرح متاجری کا وہ نظام بھی باطل ہے جس میں اجیر کی حق تلفی ہوتی ہو اور اس میں مزدور کی بے بسی اور بے کسی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو اسی طرح اجیر کے لئے وہ خیانت بھی شدید حرام ہے جس سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہو۔

معاشی نظام کی تمام خرابیوں کا واحد علاج اسلام کا مضبوط و مستحکم واضح اور مفصل نظریہ اقتصادیات ہی میں ہے اسلام ہی ایک صالح معاشی نظام کا ضامن ہے۔

## ایک اہم نکتہ

اسلامی اقتصادیات کا اخلاقی برتری، روحانی ترقی، اعلیٰ شعور کی بیداری اور ہر قسم کی ابدی اقدار پر منتج ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظریات کو قرآن وحدیث میں اس طرح الگ تھلگ مدون نہیں کیا گیا کہ اسے باقاعدہ ایک علم، ایک مستقل فن کی حیثیت ہو۔ اسے اسلام کی روحانی اور اخلاقی صداقتوں کے ضمن میں جا بجا بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان معاش کے جس حصہ کو بھی حاصل کرے اس کے دامن سے لپٹ کر یہ سب سعادتیں بھی اس کو نصیب ہو جائیں۔

## اسلام اقتصادی انقلاب کا داعی ہے!

آج ہم جس پُر آشوب دور سے گزر رہے ہیں وہ ہر شخص پر عیاں ہیں اقتصادی ناہمواری اور لوٹ کھسوٹ نے انسان سے شرف انسانیت کو چھین لیا ہے تمام اخلاقی وروحانی ضابطے ٹوٹتے جا رہے ہیں اس موقع پر انسانیت کی دستگیری اسلام ہی کر سکتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جب اسلام کا اقتصادی نظام ان شاء اللہ قائم ہوگا تو وہ موجودہ اقتصادی نظاموں میں ترمیم یا اصلاح نہیں بلکہ انقلاب عظیم برپا کرے گا اور زندگی کی یہ بساط مکمل طریق پر الٹ جائے گی اب ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم اس انقلاب کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں تاکہ برضا ورغبت ہم اس نظام کو قبول کر کے اجر وثواب کے بھی مستحق ہو سکیں اب ہمیں ہمت وبہادری اور اسلام کے جذبہ سرشاری سے کام کرنا ہے۔ آج کی دنیا میں سب سے بڑا دھوکا اور فریب جو بین الاقوامی سطح پر دیا جا رہا ہے یہ ہے کہ موجودہ معاشی ابتری کا واحد حل سوشلزم میں ہے۔ یہ سراسر غلط ہے بلکہ

بلکہ آج دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف معاشی نظام قائم ہیں اور کسی نظام میں اس سے زائد خرابیاں نہیں ہیں جتنی سوشلزم میں ہیں۔ بلکہ روٹی کپڑا اور مکان کا معاملہ کچھ ایسے طور پر ہی حل کیا گیا ہے۔ رہا معاملہ ظلم و تشدد ناانصافی کا تو یہ خودغرض انسان کے بنائے ہوئے ہر نظام میں ہے۔ یہ علیحدہ چیز ہے کہ سوشلزم میں ظلم و تشدد بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور دیگر نظام ہائے معیشت میں منطقی نتیجہ کے طور پر۔ افسوس کہ آج مسلمان اتنی شکست خوردہ ذہنیت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے لئے غیروں سے ضابطۂ حیات کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ انقلاب کا ہر وہ دعویٰ جھوٹا ہے جس سے ہم سرخ یا سفید سامراج کی چوکھٹ پر جبیں سائی پر مجبور ہو جائیں۔ انقلاب کا صحیح مفہوم اسی وقت ادا ہوگا جب ہم اس دور میں ایک ایسا نظام عملاً نافذ کر دیں جس کی عظمتوں کے سامنے سب نظام سرنگوں ہو جائیں۔ اگر ہم کسی ایسے انقلابی نظام حیات کے داعی نہیں ہیں تو بلاشبہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ انقلاب کے نام پر ہمیں کسی نہ کسی سامراج کی غلامی کرنی ہوگی۔ یہ انقلاب بلاشبہ ایک ایسا انقلاب ہوگا جو مشرق و مغرب کو جھنجوڑ کر رکھ دے اور اس کا دارومدار اسلام کے اقتصادی نظام ہی میں ہے۔

## اسلام کا اقتصادی انقلاب ضرور کامیاب ہوگا

ماضی کے تاریخی حقائق مستقبل کے لئے صحیح پیشینگوئی ہوا کرتے ہیں۔ ہم جب اس جہان پر غور کرتے ہیں جس میں اسلام کا معاشی نظام اور اقتصادی انقلاب آیا تھا تو وہ تقریباً ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہے بلکہ دنیا کی مادی

اسباب اس وقت تھے جو کہ اب ہیں مگر اسلام کا اقتصادی نظام شاندار کامیابی
اور کامرانی سے ہمکنار ہوا، لہٰذا اب اس کے ناکام ہونے کا بظاہر کوئی سبب
نہیں، البتہ اس کے لئے شرط اولین یہی ہے کہ ہم اس نظام کے صحیح ہونے کا
پختہ یقین کرلیں اور اس کے بعد مرد میدان بن کر صف آرا ہو جائیں، شاہ ولی اللہ
محدث دہلوی نے اس کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بالکل بیسوی صدی سے مطابقت
رکھتا ہے۔ شاہ صاحب کے کلام کا ملخص یہ ہے۔

جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور
دنیوی تعیش کو انھوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان
نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ رہ گیا کہ وہ عیش کوشی
کے اسباب میں مشغول ہو گئے اور ان میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر
فخر کرنے لگا اور اترانے لگا، یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے
ماہرین جمع ہو گئے جو ہیں عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لئے عیش پسندی کے
نت نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامان عیش مہیا کرنے کے نئے عجیب و غریب
دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں معروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس
جد وجہد میں منہمک ہو گئے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق
ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے پر فخر کر سکتے ہیں حتیٰ کہ ان امراء اور سرمایہ
داروں کے لئے یہ بات سخت قابل عیب تھی کہ ان کی کمر کا پٹکا یا سر کا تاج
ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو یا ان کے پاس ایسا سربفلک عالیشان محل
نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد و گرم حمام، بے نظیر پائیں باغ ہوں اور

ضرورت سے زائد نمائش کے لئے بیش قیمت سواریاں حشم و خدم اور حسین و جمیل باندیاں موجود ہوں اور صبح و شام رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوں جام و سبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو اور فضول عیاشی کے وہ سبب و سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو۔ اور جس کا ذکر قصہ طولانی کے مترادف ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری ہوگئی تھی کہ دلوں کا امن و سکون مٹ گیا تھا، ناامیدی و کاہلی بڑھتی جاتی تھی اور بہت بڑی اکثریت رنج و غم اور آلام و مصائب میں گھری نظر آتی تھی، اس لئے کہ ایسی عیش پرستی کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی اور یہ ہر شخص کو میسر نہ تھا۔ اب بادشاہوں، نوابوں، امراء اور عمال حکومت نے معاشی دست برد شروع کردی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشت کاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کارپردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کرکے انکی کمر توڑ دی۔ اور انکار کرنے پر انکو سخت سے سخت سزائیں دیں اور مجبور کرکے ان کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آب پاشی اور ہل چلانے کے کام میں آتے ہیں اور پھر کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی جائز ضروریات کے لئے بھی کچھ پیدا کرسکیں۔

خلاصہ یہ کہ ظلم اور ناانصافی اپنے عروج کو پہنچ گئی اس پریشان حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کو اپنی اخروی سعادت و فلاح خدا سے قائم کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکی، پھر یہ کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی

وہ اکثر یک قلم متروک ہو گئی اور امراء و رؤساء کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بڑا حرفہ شمار ہونے لگی اور عوام کی حالت یہ ہوئی کہ انکی تمام زندگی بداخلاقیوں کا نمونہ بن گئی اور ان میں سے اکثر کا گذارہ بادشاہوں کے خزانہ سے کسی نہ کسی طرح چلتا تھا۔ مثلاً ایک طبقہ جہاد کئے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ حاصل کرنے لگا۔ دوسرا مدبرین مملکت کے نام سے پلنے لگا کوئی بادشاہ و امراء کے نام پر قصہ خوانی کرکے شاعری کے نام سے پلنے پرورش پانے لگا خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین ذرائع کا فقدان ہو گیا، چاپلوسی، مصاحبت، چرب زبانی اور دربار داری ہی ذرائع معاش رہ گئے اس طرح انسان کے ذہنی نشوونما کی تمام خوبیاں ملیامیٹ ہو گئیں اور انسان پست اور ارذل زندگی پر قانع ہو گیا۔ آخر جب اس مصیبت نے بھیانک شکل اختیار کرلی اور مرض عام ہو گیا تو خداوند علیم و خبیر نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر اس فساد کا خاتمہ کرنے کے لئے مبعوث فرمایا۔

آپ نے ہدایات ربانی کے بموجب روم و فارس کی تمام رسومات کو فنا کر دیا اور ان کے فاسد نظاموں کے برخلاف ایک صالح نظام دنیا کو عطا کیا۔ اس نظام میں فارس و روم کی برائیوں کو اس طرح مٹا یا گیا کہ معاشی زندگی کے ان تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام و جمہور پر معاشی دست برد کا سبب بنے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بے جا انہماک کا باعث ہوئے ہیں، مثلاً مردوں کے لئے سونے

چاندی کے زیورات اور حریر و دیبا کے نازک کپڑے کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لئے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالیشان محلات کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و آرائش کو ممنوع قرار دیا ہے کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی تباہی کا منشاء و مولد ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۴)

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں جو مسائل ہمارے سامنے ہیں وہ تقریباً اسی نوعیت کے ہیں جن کا ذکر شاہ ولی اللہؒ کی زبانی آپ نے سنا کیا سچ نہیں کہ آج ہم جس اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں اس میں مندرجہ ذیل عناصر کار فرما ہیں۔

۱:۔ زمین داروں اور عمال حکومت کی عیش کوشی جس نے اُن کو ناجائز استحصال کی راہیں دکھائیں۔

۲:۔ ٹیکس جو عیاشیوں اور نزاکتوں پر صرف ہوتے ہیں۔

۳:۔ بہترین لباس، شاندار محلات اور شہوت رانی کے حرام ذرائع

۴:۔ حکام اور عمال کے کاسہ لیس ثناخواں۔

۵:۔ صنعت و حرفت میں کمال حاصل کرنے کے بجائے فن "خوشامد" کی ڈگریاں حاصل کرنا۔

۶:۔ مدبرین حکومت کے ناموں پر سینکڑوں بلکہ لاکھوں آدمیوں کا عیاشیوں میں مصروف رہنا۔ ہر کام کے لئے کمیشن بٹھانا اور بلا ضرورت محکمے قائم کرنا یہ سب اسی کی شکلیں ہیں۔

جب اسلام کا اقتصادی نظام آیا تو اس نے ان تمام خرابیوں کی جڑوں
کو اکھیڑ ڈالا اور ظلم و ناانصافی کے محلات منہدم کر دیئے اور اب بھی جب انشاءاللہ
اسلام کا اقتصادی نظام قائم ہوگا تو وہ ان تمام برائیوں کا انسداد کرے گا نیز
ان خرابیوں کو ختم کرے گا جو موجودہ وقت میں پائی جاتی ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ انسانی معاش کو ہم دو حصوں میں
منقسم کرتے ہیں۔

۱۔ انفرادی۔

۲۔ اجتماعی۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جماعت افراد ہی سے بنتی ہے جس جماعت کے
افراد اچھے ہوں وہ جماعت بھی اچھی ہے اور جس جماعت کے افراد اچھے
نہ ہوں وہ جماعت کسی طرح اچھی کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔

## فرد کی معیشت

اسلام میں فرد کو ایک باعزت مقام حاصل ہے اور یہ اس کی روحانی
و جسمانی صلاحیتوں کی وجہ سے اس کا جائز حق ہے ایک اسلامی معاشرہ ایسے
ہی عظیم افراد سے تشکیل پاتا ہے اسلامی معاشرہ چھوٹی کوڑیوں کا نہیں
اس کا ہر موتی درِ عدنی ہے اور ہر گوہر لعلِ بدخشانی اسلام فرد کی ایک گونہ
استقلالی حیثیت کا داعی ہے اور یہ اس کا فطری حق ہے، یہی وجہ ہے کہ
اسلام "دینِ فطرت" کہلاتا ہے اسلام کا یہ نظریہ سوشلزم سے کم

نظریہ سے قطعاً مختلف ہے کیونکہ وہاں فرد کی حیثیت اینٹ پتھر سے زائد نہیں جس کو سوشلزم کا معمار کاٹ پیٹ کر جہاں چاہے فٹ کر دے۔ اس مضمون میں فرد کی صرف اقتصادی حیثیت سے بحث کی جائے گی اس سلسلے میں تین . . . چیزیں بہت اہم ہیں۔

۱:۔ فرد کہاں سے روزی کمائے؟ یعنی ذرائع کسب کیا اختیار کرے۔

۲:۔ کیا چیز کسب کرے اور کس چیز کے کسب سے باز رہے؟

۳:۔ کہاں خرچ کرے۔

## اسباب معیشت

سب سے پہلی چیز اسباب معیشت کا حصول ہے یعنی یہ کہ آیا اسلام کی رو سے انسان کو بحیثیت مسلم رزق کی تلاش کرنی چاہیئے یا نہیں؟ تو ہر شخص جانتا ہے کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ علائق دنیوی کا ترک اسلام کی تعلیمات کے منافی ہے اور توکل کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب عادیہ کو ترک کر دیا جائے، توکل کی حدود کا آغاز اسباب ظاہری کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اونٹ کے پیر باندھ دو پھر اسے چراگاہ میں چھوڑ کر اللہ پر توکل کرو۔

قرآن کریم میں اور احادیث شریفہ میں جا بجا صنعت و حرفت اور اکتشافات جدیدہ کو نہ صرف یہ کہ سراہا گیا ہے بلکہ انسانی خدمت کا بہترین ذریعہ ہونے کے باعث انبیاء علیہم السلام سے بھی منسوب

کیا گیا ہے۔ تاکہ انہیں صنعت و حرفت کو اپنی اہم ذمہ داری سمجھتے ہوئے اختیار کریں۔

# نبی اور سائنسدان

یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جو صنعت و حرفت اختیار کی وہ انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق تھی کسی نبی نے کوئی ایسی چیز ایجاد نہ کی جو امن دشمن کاموں میں استعمال ہو سکے اور جو انسانیت کی تباہی و بربادی پر منتج ہو اور یہ ایک بڑا فرق ہے نبی اور سائنسدان میں۔

سائنسدانوں نے انسانی فلاح و بہبود کے لئے بہت کچھ ایجاد کیا مگر چند ایسے مہلک ہتھیار بھی ایجاد کر لئے کہ ان کی موجودگی کی وجہ سے ان تمام سہولتوں اور آسائشوں کو کالعدم سمجھنا چاہیے جو سائنسدانوں نے ایجاد کی ہیں۔

اب کچھ حالت ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص کے سر پر پھانسی کا پھندا لگا ہو اور وہ تختہ دار پر کھڑا ہو مگر سامنے قسم قسم کے لذیذ کھانے چنے ہوئے ہوں۔ اب اگر وہ بے عقل جانور نہیں ہے بلکہ ایک حساس انسان ہے تو اس کے سامنے اس لذیذ کھانوں کی کچھ وقعت نہ ہو گی۔

رائج الوقت مادی فلسفوں نے انسانی اعلیٰ اقدار کو ختم کر دیا ہے حالانکہ یہی اخلاقیاتی اقدار ہتھیاروں کی مسابقت اور دوڑ کے خاتمے کا واحد ذریعہ تھیں۔ اب حال یہ ہے کہ تخفیف اسلحہ کے حامی جب کہتے ہیں کہ ہتھیار کم کر دو تو سائنسدان سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اور بناؤ۔

سب سے پہلے نبی جنھوں نے صناعی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا وہ جناب نوح علیہ السلام ہیں اور آپ نے جو چیز بنائی وہ انسانیت کو ڈبونے کے لئے نہیں بلکہ ساحل مراد سے لگانے کے لئے بنائی۔

قرآن کریم میں ہے۔

"واوحینا الی نوح انِ اصنعِ الفلکَ باعیننا (الاعراف)"

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ ہماری نگاہوں کے سامنے کشتی بنائیے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نوح علیہ السلام کشتی کے موجد نہ تھے تب بھی اس میں تو مجال انکار نہیں کہ آپ کی کشتی غیر معمولی حیثیت کی تھی۔ وہ اتنی لمبی چوڑی دیو ہیکر تھی کہ دیکھنے والے مذاق اڑاتے اور جناب نوح علیہ السلام سے کہتے کہ آخر آپ اس کو چلانے کے لئے پانی کہاں سے لائیں گے قرآن کریم کی صریح آیت اس کشتی کے بڑے ہونے اور مضبوط ہونے کو بتاتی ہے کہ :-

وھی تجری بھم فی موج کالجبال (القرآن)

• اور وہ کشتی ان لوگوں کو لے کر ایسی موجوں کا سینہ
پھاڑ کر چلی جا رہی تھی جو پہاڑوں کی طرح تھیں:
داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔
وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ
بَأْسِكُمْ (سبا)
اور ہم نے ان کو سکھایا داؤدؑ کو زرہ بنانا تمہارے فائدے
کے لئے تاکہ حفاظت کرے تمہاری جنگ سے:
یہ صنعت بھی لوگوں کے فائدے ہی کی تھی نقصان کے لئے
نہ تھی نبی نے بچاؤ کا طریقہ بتایا مارنے کا نہیں، زرہ بنا کر دکھائی،
تلوار نہیں۔
مسلم شریف میں ہے۔
كَانَ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ نَجَّارًا:
• زکریا (علیہ السلام) بڑھئی تھے:
خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو صنعت
و حرفت پر برانگیختہ کرنے کے لئے فرمایا کہ:۔
مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ
مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ۔
(رواہ البخاری)

کسی شخص نے اس سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو اس کے ہاتھوں نے کمایا۔ اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

یہاں " عمل ید" ہاتھ کے کام سے مراد صنعت وحرفت ہے۔ کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حوالے کے لئے جس نبی کا نام لیا وہ زرہیں بنانے والے تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :۔

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کسب معاش کا بہتر ذریعہ کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا :۔

دستکاری (ابن ماجہ)

• ادریس علیہ السلام کے متعلق ہے ۔

" کان ادریس خیاطاً " جناب ادریس علیہ السلام درزی تھے ——————— (فتح الباری ص۲ کتاب البیوع)

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے عہد قریب میں مشین ، ملیں اور کارخانے نہیں تھے جو کچھ تھا وہ یہ کہ لوگ ہاتھ سے ضروریات کی چیزیں بناتے اور لوگوں کے ہاتھ فروخت کرتے اس مشینی دور سے قبل صاحب حرفت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اس کی محنت کے مطابق اس کو مزدوری مل جاتی تھی مگر اب جبکہ

مشینی دور شروع ہو چکا ہے بلکہ عروج پر پہنچ چکا ہے ہاتھ پیر تو کیا دماغ کے بھی بعض کام مشینیں کرتی ہیں، کارخانہ دار مزدور پر آقائی بلکہ معاذ اللہ خدائی کر رہے ہیں۔ یہ مشینیں بھی مزدوروں ہی نے بنائی ہیں، سوچنے کی بات ہے، کیا یہ مشینیں صرف اس لئے ہیں کہ کم وقت میں کارخانے دار کی تجوری کو زائد سے زائد پر کر سکیں۔ انسانیت کا تو تقاضا یہ ہے کہ جس مزدور نے یہ مشینیں بنائی ہیں اس کو بھی جسمانی راحت اور سکون ملے اگر ایک مزدور کھڈی پر ۸ گھنٹوں میں مثلاً ۱۰ گز کپڑا تیار کرتا تھا۔ اب مشین سے سو گز تیار ہوتا ہے تو مزدور کی تنخواہ اسی مناسبت سے ہونی چاہیئے تاکہ کارخانہ دار کے خوشحال ہونے کے ساتھ ہی محنت کش بھی خوشحال ہو جائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کارخانہ دار یا کوئی بھی آجر خود کو بیسویں صدی کا انسان سمجھے اور راجہ مزدور کو سترھویں صدی کے آثار قدیمہ میں سمجھے اور مزدور کے بارے میں کچھ اس طرح سوچے کہ:-

ہے دے رہا ہوں مزد کی صورت میں اسکو میں زکوٰۃ
درحقیقت اسکی محنت کا صلہ کچھ بھی نہیں

اس کی کم ظرفی نے فطرت کا بگاڑا ہے مزاج
رفتہ رفتہ ہو رہی ہے وہ حسین و خشمگیں

سیم و زر دے کر بھی میں راضی نہ تھا روز ازل
بن گیا مزدور مبحث جاروب و تیشہ کار میں

اس دورِ تہذیب و تمدن کے موجد جو غلامی کو لعنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف بلا سانس لئے لیکچر پہ لیکچر دیتے جاتے ہیں خود ہی اقتصادی غلامی کے جال کو وسیع سے وسیع تر کرتے جا رہے ہیں اور محنت کش مزدوروں کو غلام بے دام بنانے بنانے میں مصروف ہیں محنت کی زیادتی اور عام انسان کی محرومی نے مفاد پرستوں کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ مزدوروں میں جذبہ انتقام کو بھڑکا کر ان کا سیاسی استحصال کریں اور اس طرح وہ خود صنعت کاروں اور کارخانہ داروں کی جگہ مفت میں لے لیں۔ ادھر کارخانہ دار مذہب کی آڑ لے کر اپنی چیرہ دستیوں اور سفاکیوں کا جواز تلاش کر رہے ہیں مگر میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ دین اسلام میں ویسے لوگوں کے ظلم کے لئے کوئی جواز موجود نہیں اسلام دین فطرت ہے اور اس کا نظام حیات کسی انتقام یا ردِ عمل کی پیداوار نہیں بلکہ وہ خالق کائنات کا عطا کردہ وہ مقدس نظام ہے جو جانوروں پر بھی ظلم و زیادتی کی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ انسان پر جس کو قرآن کی رو سے اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے انسانیت کا یہ اعلیٰ تصور کہ وہ خدا کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ ہے کسی ازم میں نہیں ملے گا یہ عجیب احمقانہ نظریہ ہے کہ انسانیت کی ہمدردی اور فلاح کے غم میں گھلنے والوں نے انسان کو یہ شرف عطا کیا ہے۔ کہ

"انسان ایک معاشی جانور ہے"

انسانیت کے لئے ایسا گھٹیا تصور رکھنے والوں سے آپ کسی قسم کی اخلاقی یا روحانی توقعات کیسے وابستہ کر سکتے ہیں! اگر کارخانے ان کے سپرد کر دیئے جائیں تو یہ موجودہ حضرات سے کچھ زائد ہی کرم فرما ثابت ہوں گے اور یہ بات تاریخی شواہد سے ثابت ہے لہٰذا اب انسانیت کی فلاح صرف ایسے نظام حیات میں ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتا ہے اور جس میں عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ دینِ اسلام ہے۔

اسلام کو اپنا دین ماننے والوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ وہ ایسے مقدس دین کو اختیار کئے ہوئے ہیں جو ہر منزل پر انکی دستگیری کو موجود ہے سرمایہ داروں کے مظالم ختم کرانے اور مزدوروں کو ان کا حق دلانے کے لئے مسلمان کو اسلام کو خیرباد کہنے اور کسی ازم کو خوش آمدید کہنے کی ہرگز غلطی نہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ مقاصد اسلام کی تعلیمات میں واشگاف الفاظ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ سرمایہ دارانہ ظلم کی چند تدبیریں ملاحظہ ہوں۔

## تدبیر نمبر ۱:-

"مزدور مفلس و فاقہ کش ہے، تن اور پیٹ نے اس کو عاجز کر رکھا ہے، سرمایہ دار جب اس کو اس کی محنت کے عوض بجائے ایک روپے کے ۸ آنے دیتا ہے تو وہ بخوشی اس کو قبول کر لیتا

ہے، کیونکہ بصورت دیگر موت کا استقبال لازمی ہے سرمایہ دار خوش ہے کہ یہ سودا رضامندی سے طے پایا۔

تدبیر نمبر ۲:۔

پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ کم مزدوری کے باوجود کام زائد سے زائد لیا جاتا ہے، مزدور اپنی بے چارگی پر آٹھ آٹھ آنسو بہاکر دس دس گھنٹے کام میں لگنا قبول کر لیتا ہے۔ سرمایہ دار خوش ہے کہ معاملہ برضا و رغبت طے پایا۔ لیکن اسلام اس مکاری کا پردہ چاک کرتا ہے اور بے بس کی رضامندی کو کالعدم قرار دیتا ہے اور اس طرح روزی کمانے والے کو دونوں جہانوں میں مجرم قرار دیتا ہے غریبوں اور بے کسوں کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الله عز وجل ثلثة انا خصمهم یوم القیامة ومن کنت خصمه خصمته....

ورجل استاجر اجیراً استوفی منه ولم یوفه۔ (بیہقی ج ۶ کتاب الاجارہ)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین آدمی ہیں جن سے

قیامت کے دن جھگڑا کروں گا اور جس سے میں جھگڑا
کروں اس کو مغلوب کر دیتا ہوں۔ ایک وہ شخص جس
نے کسی مزدور کو اجرت پر لیا۔ کام تو اس سے پورا لیا
مگر اجرت پوری نہ دی ؎
کیا مزدوروں کا حق کھا جانے والے اب بھی یہ امید کرتے
ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے قہر کے بجائے ان پر رحم و کرم کے سائے کرے
گا۔ مزدور سے اس کی طاقت سے زائد کام لینا درست نہیں ہے۔
ویستعملہما فیما یحسنانہ ویطیقانہ بلا اضرار دھما۔
(محلی ابن حزم اجارات ج ۸)
اور ان دونوں کو (آزاد اور غلام کو) اتنا کام دینا چاہیئے
کہ جسکی وہ طاقت رکھتے ہوں اور اس طرح کام لینا چاہیئے
کہ ان کو ضرر اور نقصان نہ پہنچے۔
یہ ہے اسلامی مساوات کہ آزاد اور غلام اگر مزدوری کریں
تو دونوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک روا رکھا جائے۔

## تدبیر نمبر ۳

ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ بلا اجرت طے کئے سیٹھ صاحب کسی
سے کام لیں اور پھر بڑے محسنانہ طرز پر اپنی دل پسند اجرت دیں جو
غریب مزدور مجبوراً قبول کرلے، یہ کام سرمایہ دارانہ طرز کے ملکوں
میں اتنے بڑے پیمانے پر نہیں ہوتا جتنا کہ اشتراکی ممالک میں ہوتا ہے

چنانچہ اشتراکی ممالک میں جو بیگار کیمپ ہیں وہ اس کی مثال ہیں

اسلام نے اس حرکت کو بے حد مذموم قرار دیا ہے۔ ابو سعید خدری سے

مروی ہے کہ :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن

استئجار الاجیر حتی یبین الہ اجرہ۔

(بیہقی کتاب الاجارہ ج ۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے کہ مزدور کو

اس کی اجرت بتلائے بغیر کام پر لگایا جائے۔

## تدبیر نمبر ۴

اجرت تو مقرر کی جائے مگر اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کی جائے

اور وقت پر اس کی اجرت نہ دی جائے جس کی وجہ سے بے چارہ اپنی

ضروریات کو بروقت پورا نہ کر سکے۔

نیز یہ کہ ہر وقت خوشامد کرتا رہے اور اپنی اجرت مل جانے پر

کارخانہ دار کا شکر گزار ہو۔ گویا کہ اسے کوئی عطیہ ملا ہے، اسلام نے

اس حرکت کو شدید ظلم قرار دے کر ممنوع ٹھہرایا ہے۔

عن ابی ھریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم قال مطل الغنی ظلم ۔ (بخاری و مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ :-

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔

(محلیٰ ج ۶)

مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔

مراد یہ ہے کہ ٹال مٹول اور بہانہ سازی نہ کرو مگر افسوس کہ آج کل مسلمان مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل تو کیا ... خون خشک ہونے سے بھی قبل ادا کرنے کو تیار نہیں۔

### تدبیر نمبر

مزدور کا حق تلف کرنے کے لئے اس پر یہ الزام ہوتا ہے کہ اس نے کام اچھے طریقہ پر نہیں کیا اور مال ضائع کر دیا۔ اس طرح بعض اوقات اس پر جرمانہ بھی ہوتا ہے اسلام نے اس سلسلے میں بھی ایک معتدل راہ بتائی ہے اور وہ یہ کہ :-

اجیر مشترک ہو یا خاص کاریگر اس پر مال میں نقصان ہو جانے یا ہلاک ہو جانے سے کوئی تاوان نہیں آتا - تاوقتیکہ اس کا ارادی قصور یا ضائع کر دینا ثابت نہ ہو اور ان تمام امور میں جب تک اس کے خلاف گواہ موجود نہ ہوں، اجیر ہی کا قول معتبر ہے مگر اس سے قسم لی جائے گی کیونکہ مستاجر کی چیز اجیر کے پاس بطور امانت ہے۔

(محلیٰ ج ۸)

اس کے علاوہ مزدور کا حق مارنے کے جو حیلے بھی ہیں اسلام نے ان کو شدید ممنوع قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ مستاجر اور اجیر کا برتاؤ اس اصول پر ہونا چاہیئے۔

"اسلام کی سنت یہ ہے کہ لوگوں (اجیر و مستاجر بائع و مشتری وغیرہ) کو آپس میں مہربانی، رحم اور ایک دوسرے کے ساتھ خیرخواہی کے معاملات کرنے چاہئیں۔ کیونکہ مسلمان اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

(حجۃ اللہ البالغہ)

کارخانے دار اور مزدوروں کے لئے جو قانون بھی اس بنیاد پر بنایا جائے گا کہ اس میں کارخانے دار پر ظلم نہ ہو اور مزدور کا حق مل جائے، وہ قانون بلاشبہ اسلامی قانون ہوگا اور اس کو اسلامی قانون ہی کہا جائے گا۔ اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اسی قسم کے قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں پوری قوت کے ساتھ نافذ کرے کیونکہ اسلامی قوانین کے نفاذ کا طریقہ صرف وعظ و نصیحت ہی نہیں اور نہ ہی دنیا کا کوئی قانون خالی ہدایتوں اور نصیحتوں سے نافذ ہوتا ہے جب سے اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والی قوت نافذہ ختم ہوئی اسلام کے عظیم قوانین محض رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن کر رہ گئے ہیں جن کو سنانے اور سننے والے ذریعہ تسکین روح سمجھتے ہیں اور بس۔

# زمین کی ملکیت کے متعلق اسلامی احکام ـــــ!

زمین بھی دنیا کی دیگر نعمتوں کی طرح ایک نعمت ہے جس طرح دنیا کی دوسری نعمتوں کا حال ہے وہی اس کا ہے۔ یہ کوئی جنتی نعمت نہیں جس کے اہل ایماندار ہی ہوں اور کافر و مشرک اس سے محروم رہیں یہ وہ بات ہے جس کو تقریباً تمام انبیاء علیہ السلام اپنی امتوں کو بتلاتے آئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا :

"اے میری قوم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرتے رہو بیشک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جسکو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ اور انجام کی بھلائی پرہیزگاروں کے لئے رہا ہے۔"

(اعراف ع ۵)

قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر بھی اسی مضمون کی آیات موجود ہیں۔ ان آیات کا مقصد صرف اتنا ہے کہ زمین اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہے جو دنیا میں بلا تفریق مومن و کافر جس کو چاہے

عطا فرماتا ہے، اگر داؤد و سلیمان علیہما السلام کو روئے زمین کی خلافت دی گئی تو نمرود بخت لفر جیسے کافر بھی تمام روئے زمین پر سلطنت کر گئے۔ ملکیت زمین معیارِ حقانیت نہیں، ہر فرد اور ہر جماعت اپنے وقت میں زمین کی مالک بن کر اس سے منفعت حاصل کرے گی اور پھر آخر میں زمین رہ جائے گی اور زمیندار اسی زمین کا لقمہ بن جائیں گے جس سے ان کو پیدا کیا گیا تھا اور اس وقت کہا جائے گا کہ اب تک تو تم انفرادی اور اجتماعی طور پر زمین کے مالک تھے آج کس کے لئے ملک ہے ؟ صرف اللہ واحد وقہار کے لئے۔ (القرآن)

## ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض حضرات کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ چونکہ قرآن کریم میں ہے کہ زمین اللہ کی ہے اس لئے کوئی فرد اس کا مالک نہیں بن سکتا اس کا پہلا جواب یہی ہے کہ اگر زمین کے اللہ کی ملکیت میں ہونے سے انفرادی ملکیت کی نفی ہوتی ہے تو اجتماعی ملکیت کس اصول سے باقی رہ جاتی ہے حکومت کے چند کارندے اس کے مالک کیونکر بن سکتے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر زمین کے اللہ کی ملک میں ہونے سے انفرادی ملکیت زمین پر ختم ہو جاتی ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس جہان میں صرف زمین

اللہ کی ملک نہیں۔ بلکہ قرآن میں ہے کہ، اسی کی ملک ہے جو آسمان میں
ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (القرآن) لہٰذا مکان، کپڑے، سواری اور
ہر چیز اللہ کی ملک ہوئی اور سب لوگ اس میں برابر کے حصہ دار قرار
پائے تو پھر سوشلزم کیوں؟ مزدکیت کو اختیار کرنا چاہیئے۔
خوب یاد رکھیئے کہ قرآن وحدیث میں کہیں یہ غیر فطری حکم نہیں
کہ زمین پر شخصی ملکیت قائم نہیں ہوسکتی زمین دیگر چیزوں کی طرح
انفرادی واجتماعی ملکیت میں آجانے کے باوجود بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے
اور اللہ نے ہم کو اس کا مالک اس لئے بنایا ہے۔
تاکہ آزمائے کہ تم زمین کے مالک بن جانے کے بعد
اس میں کیسا کام کر کے دکھاتے ہو۔ (اعراف ع ۵)
اسلام کا نظام ملکیت زمین نہایت صاف ستھرا اور جاگیرداری
اور سرمایہ داری اور اشتراکی خرابیوں سے پاک ہے۔ اب ہم اس پر
تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔ قرآن میں تو اصولی طور پر وہی کچھ ہے
جو ہم نے سورۂ اعراف کے حوالے سے لکھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے
کہ:-

۱۔ زمین بھی دوسری چیزوں کی طرح حقیقت میں اللہ ہی کی
ملکیت ہے۔

۲۔ اللہ زمین کی ملکیت کافر کو بھی دیتا ہے اور مومن کو بھی۔

۳۔ جب زمین اللہ ہی کی ملکیت ہے اور دوسروں کو اللہ اپنی

حسب منشا مالک بناتا ہے تو زمین کے مالکوں کو چاہیئے کہ وہ زمین کے مالک حقیقی کے فرامین و احکامات تسلیم کریں۔

زمین کی ابتدائی دو قسمیں ہیں۔

۱:۔ ارض مباحہ۔ یعنی وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو

۲:۔ مملوک زمین۔ یہ خاص لوگوں کی ملکیت ہے اور وہ اس پر تصرف رکھتے ہیں۔

پھر مباح زمینوں کی تین قسمیں ہیں:۔

۱:۔ ایک وہ زمین جو آبادی کے قریب بستی والوں کی مشترکہ ضروریات سے متعلق ہے جیسے گلی سڑک، چراگاہ، قبرستان عیدگاہ وغیرہ کے میدان۔

۲:۔ غیر آباد جنگلات، بنجر پہاڑی زمینیں جو نہ کسی خاص شخص کی ملک میں ہوں اور نہ بستی والوں کے عمومی فوائد سے متعلق ہوں اور نہ قابل زراعت ہوں۔ ان زمینوں کی اصطلاح شرع میں "ارضِ موات" کہا جاتا ہے۔

۳:۔ وہ زمینیں جو بستی سے دور ہیں اور کسی شخص کی خاص ملکیت نہیں لیکن منفعت بخش اور قابل کاشت ہیں۔ یہ زمینیں، اصطلاح شرع میں "اراضی بیت" کہلاتی ہیں (بدائع کاسانی ج۶ ص۱۹۲)

اب ہر ایک زمین کے جداگانہ احکام ہیں۔

ایسی زمینوں پر کسی فرد کی ملکیت جائز نہیں۔ خود مسلمان

حاکم بھی اس کا مالک نہیں اس لئے وہ ان زمینوں کو بطور جاگیر بھی
کسی کو نہیں دے سکتا بلکہ یہ زمینیں مسلم حکومت کی زیر نگرانی
مسلمانوں کے عمومی فوائد کے لئے رہیں گی۔ یہاں یہ بات واضح
طور پر سمجھ لینی چاہیئے کہ بعض فقہانے (۱) ان زمینوں کو رکھا ہے
جو شہر یا بستی کے قریب ہوں۔ مثلاً امام طحاوی اور ابو یوسف سے
بھی ایک روایت ایسی ہی ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر آبادی کے
آخری کنارے پر کھڑے ہو کر ایک شخص بلند آواز سے پکارے
تو جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہ حصہ (۱) غیر مملوکہ زمینوں میں
ہے اور جہاں آواز نہ پہنچے وہ حصہ (۲) میں شامل ہے لیکن ظاہر
روایت میں یہ ہے کہ جو زمین بھی شہر والوں کے استعمال کی ہوں
اور ان کی عام ضروریات اس سے متعلق ہوں خواہ شہر یا بستی کے
قریب ہو یا دور ہو (۱) کی غیر مملوکہ زمین ہے اور اس کے وہی
احکام ہیں جو ابھی بیان ہوئے۔

لہٰذا اب ضروری ہے کہ ایسی تمام زمینیں جو (۱) میں شامل
ہیں اور لوگوں کو ناجائز طریقوں پر دی گئی ہیں (بلکہ ایسی زمینوں
کا کسی کے ہاتھ بیچنا یا بطور انعام دینا ہی درست نہیں) تحقیق و تفتیش
کے بعد اسلامی حکومت کی نگرانی اور تحویل میں آنی چاہئیں جن سے
اہل شہر عمومی استفادہ کریں۔ مثلاً کوئی شخص قبرستان میں مکان بنائے
اور اس میں رہنے لگے یا قبرستان اور عیدگاہ کی زمین میں کھیتی

باڑی شروع کر دے یا اس کی خرید و فروخت شروع کر دے تو وہ ناجائز ہے۔ البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ آجکل شہر پھیلتے جاتے ہیں اور دیہاتوں سے انکی حدود ملتی جا رہی ہیں اور دیہاتوں میں لوگوں کی جائز مملوکہ زمینیں ہیں لہٰذا وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ البتہ اگر ایسی زمینیں اہل شہر کے عمومی مفاد کے لئے ضروری ہیں، مثلاً عیدگاہ یا قبرستان وغیرہ کے لئے تو حکومت ان کو خرید کر عوام کی ضروریات پوری کر سکتی ہے مگر اس بیع و شراء میں ناانصافی ہرگز نہ ہونی چاہیئے ورنہ یہ بیع و شراء باطل ہو گی۔

۲:- ارض موات۔ یعنی غیر آباد زمینیں جو نہ کسی کی ملک ہیں اور ضروریات عمومی میں ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ جو شخص مسلمان بادشاہ یا حاکم مجاز سے اجازت لے کر آباد کرے وہ اس کا مالک ہے۔ اس میں اسلام نے اس درجہ مساوات رکھی ہے کہ مسلم و کافر تک کا فرق نہیں رکھا اور اس کی وجہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ:-

من اَحیا ارضا میتتہً فھی لہ (اموال ابو عبیدہ ص۲۸۵)

یعنی جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اسی کی ہے۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایسی زمین اگر کوئی شخص امام کی اجازت کے بغیر آباد کرے تو بھی ... اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یا امام کی اجازت ضروری ہے۔ تو ابو حنیفہ کے نزدیک امام

وقت سے اجازت ضروری ہے اور ابو یوسف اور محمد کے نزدیک امام کی اجازت ضروری نہیں۔ لیکن حق یہی ہے کہ امام کی اجازت ضروری ہونی چاہیئے اس لئے کہ ایسی تمام زمینیں امام کی نگرانی میں ہیں۔ اسے حق ہے کہ وہ ان میں تصرفات کرے اور اس طرح ان خرابیوں کا سدباب بھی ممکن ہے جو موجودہ زمانے میں پیدا ہو سکتی ہیں اس قسم کے اراضی اگر امام چاہے تو کسی کو بطور عطیہ دے سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے عراق میں ایک زمین مانگی تھی تو آپ نے عراق کے گورنر کو لکھا کہ:

"اگر یہ زمین جزیہ کی نہیں ہے اور اس میں چراگاہ کا پانی بھی نہیں لگایا جاتا ہے تو آپ اس شخص کو دے دیجئے۔ (اموال ابو عبیدہ ص۲۷۷)۔

حاکم اسلام ایسی اراضی میں مسلمانوں کی عمومی بھلائی کا جو کام مناسب سمجھے کرے۔ فتاویٰ شامی میں ہے کہ "حاکم کو اختیار ہے کہ غیر آباد زمین (ارض موات) اور ہر وہ چیز جس پر کسی کی ملک نہ ہو چاہے تو کسی کو دیدے اور چاہے تو اس میں عامۃ المسلمین کا کام کرے ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کے یہ تصرفات اقربا پروری اور خویش نوازی پر مبنی نہ ہوں گے جس شریعت نے حاکم اسلام کو یہ اختیار دیا ہے اس نے حاکم اسلام کے لئے بھی کچھ شرائط رکھے ہیں اور اس کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ وہ عامۃ المسلمین کے سامنے

جوابدہ ہے اور اسلام کی زرین تاریخ میں اس مسئولیت اور جوابدہی کے بہت واقعات محفوظ ہیں۔ حاکم اسلام۔۔۔۔۔ ۔۔۔ حاکم سے مراد پوری مملکت کا فرماں روا ہے) جب کسی کو ایسی اراضی کا حصہ دیدے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ اب ان پر عشر یا خراج بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ ان زمینوں پر بھی عشر و خراج اپنی تمام تفصیلات کے مطابق ہو گا جو کتب فقہ میں تشریح سے مذکور رہیں۔ حاکم جب کسی کو یہ زمین دیدے تو صرف قول سے یا تحریر سے وہ شخص اس کا حاکم نہیں بن جاتا۔ بلکہ حد تو یہ ہے کہ اگر اس نے چاروں طرف پتھر بھی لگا دیئے تو بھی مالک نہیں اس عمل کو اصطلاح میں "تحجیر" کہتے ہیں بلکہ ایسی زمین پر ملکیت کے لئے زمین کا احیاء (آباد کرنا) شرط ہے۔

## آباد کرنے کے معنی

زمین آباد کرنے سے مراد یہی نہیں کہ اس میں کھیتی باڑی کی جائے۔ بلکہ ہر زمین کا آباد کرنا اس کے حسب حیثیت ہو گا۔

علامہ مقدسی کہتے ہیں:۔

احیاء کل واحدۃ من ذالک تھیئتھا

للانتفاع الذی ارید بہ

ہر زمین کا آباد کرنا اس کا اس مقصد کے لئے تیار

کرنا ہے جس کے لئے وہ موزوں ہے۔

پھر علامہ مذکور نے بطور مثال چند چیزوں کا ذکر کیا ہے:

" اگر رہائشی زمین ہے تو اس میں مکان تعمیر کرنا جیسا کہ اس ملک میں عام طور پر بنایا جاتا ہے ( یہ نہیں کہ خالی پتھر اور کانٹے لگا دیئے جائیں۔) اگر جانوروں کا باڑہ اور اصطبل وغیرہ بنانا ہو تو وہ اسی قسم کا ہونا چاہیئے جیسا کہ بنایا جاتا ہے۔ گودام ہوں تو گودام کی حیثیت کے ہونے چاہئیں، اگر کھیتی باڑی کے لئے ہو تو کسی نہر یا کنوئیں سے اس کی طرف پانی پہنچایا جائے پتھریلی زمین ہے تو پتھر وغیرہ نکالے جائیں۔ غیر مناسب درخت اکھاڑ دیئے جائیں۔ ان کی جڑوں کو کھود کر نکالا جائے ہل وغیرہ چلائے جائیں بہرحال زمین کا آباد کرنا عرف وعادت کے مناسب ہوگا آباد کرنا چاہے تو خود آباد کرے یا دوسروں سے آباد کرلے اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ ایک آدمی تو زمین کو اول سے آخر تک خود آباد نہیں کر سکتا اس کے لئے دوسرے انسانوں کا تعاون اور ان کی محنت درکار ہے اور وہ اپنی محنت کی مناسب اجرت پالیں گے۔ جب کوئی شخص ایسی زمین کا مالک

ہو گیا تو وہ اس زمین میں نہر بھی کھود سکتا ہے کنواں بھی بنا سکتا ہے، مکان بھی تعمیر کر سکتا ہے۔ غرضیکہ تمام مالکانہ حقوق اس کو حاصل ہو گئے البتہ حکومت کے واجبات کا ادا کرتے رہنا۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ اب کسی مسلمان حکومت یا حاکم کو وہ زمین چھین لینے کا شرعاً حق نہیں ہے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف اپنی کتاب الخراج میں کہتے ہیں :۔

فلا یحل لمن یاتی من بعدھم من الخلفاء ان یرد ذالک ولا یخرجہ من ید من ھو فی یدہ وارثا او مشتریا۔

(کتاب الخراج ص۳۴)

بعد والے خلیفہ کو اس زمین کے واپس کرنے اور اس کے مالک سے نکال لینے کا حق نہیں وہ زمین چاہے اس کو بطور وراثت ملی ہو یا اس نے خریدی ہو پھر کہتے ہیں ۔

فاما مایاخذہ الولاۃ من ید واحد ارضا اقطعھا اخر فھذا بمنزلۃ الغاصب غصب واحدا واعطی آخر۔

(کتاب الخراج ص۳۴)

اور یہ جو: حکام ایک سے زمین لے کر دوسرے کو دیتے ہیں تو یہ غاصبوں کی طرح ہیں کہ ایک سے چھین کر دوسرے کو دیدیا۔"

---

## ۹ سوشلزم کی مذاہب سے دشمنی

★ اس عالم کے ارتقائی وجود میں آج کسی بادشاہ یا خدا کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ (تاریخ مادیت)

★ مذہب عوام کی افیون ہے اور عوام کا ناجائز استحصال کرنے کے لئے آلہ کار ہے۔ (کارل مارکس)

★ ہم اپنی جماعت میں مذہب کو رعایت دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ (لینن)

★ مذہب پر موت کا تیر چلانا ضروری ہے اسلام اور دوسرے مذاہب کا اثر جو روسی عوام پر ہے اسے ہم ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

(خروشیف)

# قائدِ اعظم

## نے

# فرمایا

(۱)

ہم دونوں قوموں میں صرف "مذہب" کا فرق نہیں۔ ہمارا دین، ہمیں ایک ضابطۂ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطہ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

(۲۴ رنومبر ۱۹۴۵ء ایڈورڈس کالج پشاور)

(۲)

مسلمان پاکستان کا مطالبہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اس میں اپنے ضابطۂ حیات، ثقافتی نشوونما روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں (۲۱ رنومبر ۱۹۴۵ء فرنٹیر مسلم لیگ پشاور)

(۳)

عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

سوال:۔ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب:۔ جب میں انگریزی زبان میں مذہب (RELIGION) کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کے باہمی پرائیوٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں۔ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی غرض کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔

(عثمانیہ یونیورسٹی۔)

(۴)

سوال:۔ اشتراکی حکومت کے متعلق کیا رائے ہے؟

## جواب :-

اشتراکیت ، بالشویت ، یا اسی قسم کے دیگر سیاسی اور معاشی مسالک درحقیقت اسلام اور اس کے نظام سیاست کی غیر مکمل اور بھونڈی سی نقلیں ہیں۔ ان میں اسلامی اجزاء کا سا ربط اور تناسب نہیں پایا جاتا۔

---

یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا ؟
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک

*

حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں ؟
آہ ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق

*

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں ترا وجود
وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

*

# شوکت سبزواری صاحب سے ایک سوال

حریت میگزین مورخہ ۱۲ر مئی ۱۹۶۹ء میں زمین سے متعلق مضمون نظر سے گذرا۔ اس میں شوکت سبزواری صاحب نے ایک حدیث بحوالہ بخاری نقل کی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

بخاری کے الفاظ ہیں۔

من کانت لہ ارض فلیزرعھا او یمنحھا اخاہ

جس کے پاس زمین ہے وہ اس میں کاشت کرے۔ یا اپنے بھائی کے حوالے کردے:

محترم سبزواری صاحب! سوال یہ ہے کہ کیا یہ حدیث آپ نے کسی اردو مضمون یا کتاب سے نقل کی ہے یا بہ نفس نفیس بخاری شریف میں دیکھ کر نقل فرمائی ہے؟

اگر پہلی صورت ہے (جیسا کہ صفحات کے حوالے نہ ہونے اور راویوں کے نام نہ ہونے سے ظاہر ہے) تو یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ آپ اسلام

کے ایک اہم مسئلہ پر قلم اٹھا رہے ہیں اور نقل در نقل پر اکتفا کر رہے ہیں اور اگر آپ نے بخاری ملاحظہ فرمانے کے بعد یہ حدیث نقل کی ہے تو گستاخی معاف، آپ نے حق دیانت ادا فرمایا ۔ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں "قطع و برید" کے مرتکب ہوئے کیونکہ آپ نے ایک لفظ حدیث کا چھوڑ دیا جس سے آپ کے "خیالی استدلال" کی عمارت مسمار ہوتی ہے ۔ حضور والا کیا تحقیق اسی کو کہتے ہیں؟

اب میں حدیث کے مکمل الفاظ نقل کرتا ہوں ۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا اولیمنحھا اخاہ فان اَبیٰ فلیمسک ارضہ ۔

(بخاری شریف ص۳۱۵)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اس میں زراعت کرے یا اپنے بھائی کو عاریتہً دے دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے ۔

محترم! آخر علمی دیانتداری بھی تو کوئی چیز ہے آخر آپ نے "فان اَبیٰ فلیمسک ارضہ" کو کیوں اڑا دیا ۔ یہ جملہ کیا کسی دوسری امت کے لئے ہے؟ کیا یہ استدلال بالکل ایسا ہی نہیں ہے جیسے کہ

کوئی دعویٰ کرے کہ نماز نہ پڑھو اور دلیل پیش کرے لا تقربوا الصلوٰۃ نماز کے قریب بھی نہ جاؤ اور لفظ وانتم سکاری ، حالانکہ تم نشہ میں ہو ، نہ لکھے ۔ فاضل محترم آپ نے یمنحھا اخاہ کا ترجمہ بھی غلط فرمایا ہے درحقیقت یہ لفظ عربی کا ہے جس کا ہر لفظ معنوی خصوصیت رکھتا ہے حتیٰ کہ عام طور پر جو الفاظ مترادفات سمجھے جاتے ہیں وہ محققین کے نزدیک مترادفات نہیں ہیں ( الا ماشاءاللہ بلکہ ان میں خصوصی امتیازات ہیں جو فقہ اللغتہ اور اسی جیسی کتب میں مذکور ہیں ۔ یمنحھا فتح یا ضرب کے باب سے ہے اس کے معنی عاریۃً کسی کو کوئی چیز دینے کے ہیں ، اسی لفظ سے منیحہ ہے فتح الباری اور عینی وغیرہ میں اس کا ترجمہ یہ ہے ۔

یجعلھا منیحۃ ای عاریۃ ،

وہ زمین اگر چاہے تو بطور عاریت اپنے بھائی کو

دے دے ۔

اور اگر نہ چاہے تو کسی کی جائز ملکیت کو آپ مسلمان رہتے ہوئے نہیں چھین سکتے ۔

ایک حدیث اس موقع پر سن لیجئے اصل کتاب میں دیکھ کر نقل کر رہا ہوں ترجمہ میں پوری احتیاط ہے عربی الفاظ اختصار کے پیش نظر نقل کرنے سے معذور ہوں ۔

• طبرانی نے ابوالملیح سے اپنی سند سے روایت کی اور وہ

اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور کو مسجد نبوی میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی قریب ہی ایک خطہ زمین ایک انصاری کا تھا۔ آپ نے انسے فرمایا کہ یہ مسجد کے لئے دے دو اور جنت میں گھر لے لو انھوں نے منع کر دیا پھر حضرت عثمانؓ ان کے پاس آئے اور کہا کہ دس ہزار درہم لے لو اور زمین مجھے دیدو وہ تیار ہو گئے اور خریداری ہو گئی پھر حضرت عثمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ اب وہ زمین میری ملکیت میں ہے مجھ سے آپ اسی قیمت پر خرید لیجئے جس پر کہ آپ انصاری سے خرید رہے تھے تو آپ نے ان سے یہ زمین جنت کے عوض خرید لی۔ (وفاء الوفا ص۳۳)

جناب اسلام نے شخصی ملکیت کا یہ احترام بتایا ہے مسجد کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین جبراً نہ چھینی خدا ان انصاری کا بھلا کرے ان کا انکار اور رسول اللہ کا اس انکار پر ناراض نہ ہونا شخصی ملکیت کے احترام کی عظیم مثال بن گیا آپ بھی اسی طرح زمینیں خرید کر غریبوں میں بانٹ دیں مگر غصب اور لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہیں

## اسلام میں ملکیت کا تصور اور احترام

اسلام کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے حتیٰ کہ خود انسان اور اس کی محنت و مشقت کا بھی اس کے فعل

عل کا بھی۔ قرآن کریم میں ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون (یعنی اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا:

زمین و آسمان کون و مکان برگ و ثمر، بحر و بر، انجم و اختر شمس و قمر سب ہی کا وہ خالق ہے۔ قرآن کریم میں ہے (۱) خلق السموات والارض بالحق (پ۱۴ نحل) آسمانوں اور زمین کو اس نے حق کے ساتھ پیدا کیا۔

۲۔ والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون۔ (پ۱۴ نحل) اور چوپائے اللہ نے تمہارے لئے پیدا کئے ان میں تمہارے لئے گرمی ہے (یعنی اون ہے) اور دوسری منفعتیں ہیں اور انہیں تم کھاتے ہو۔

۳۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ (اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا ہے۔

۴۔ اللہ خالق کل شیء (پ۲۴ زمر) ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

۵۔ بلکہ عالم وجود میں اللہ کے سوا کوئی خالق ہے ہی نہیں ارشاد ہوتا ہے۔

۶۔ ھل من خالق غیر اللہ۔ (پ۲۲ فاطر) کیا اللہ کے سوا بھی کوئی خالق ہے۔

اگر کوئی شخص یہ عقیدہ نہ رکھے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے

تو وہ قطعاً کافر ہے اس کے کفر میں کسی بھی مسلمان کو شک کی گنجائش نہیں اب سوال یہ ہے کہ جس چیز کا خالق اللہ ہے کیا اس کا مالک بندہ ہو سکتا ہے تو اس کا ایک جواب تو خود ساختہ محققین دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ :-

"زمین کو انسان نے نہیں خدا نے بنایا ہے اس لئے اس کا مالک انسان نہیں بن سکتا"

(حریت سنڈے میگزین ۱۶ جون ۶۹ و ڈاکٹر برق)

یہ ایک اردو عبارت ہے جس کو ہر اردو داں بآسانی سمجھ سکتا ہے اس عبارت کے دو حصے ہیں -

۱- "زمین کو خدا نے بنایا ہے" یہ انداز تحریر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صرف زمین ہی کو خدا نے پیدا کیا ہے اور باقی تمام چیزیں خود انسان نے پیدا کی ہیں - اور یہ عقیدہ قرآن کے صریح مخالف ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیات سے واضح ہے - اس عبارت سے خدا کے خالق علی الاطلاق ہونے کا انکار ہوتا ہے - مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا خالق اللہ ہے اس کا مالک بندہ نہیں ہو سکتا - یہ پر مغز دلیل مدعی کے برخلاف ہے کیونکہ مدعی کے نزدیک چوپائے، فرنیچر، غلہ وغیرہ چیزوں کا مالک انسان ہوتا ہے - حالانکہ امر واقعہ قرآن کی رو سے یہ ہے کہ اللہ ہی ان چیزوں کا خالق بھی ہے (چاہے مدعی کا

یہ عقیدہ نہ ہو۔

ایک جواب کا بیان تو آپ نے سن لیا کہ جس چیز کا خالق اللہ ہو اس کا ایک بندہ نہیں ہو سکتا۔ اب قرآن سے دریافت کیجئے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خالق اللہ ہو اور اس کے بنانے سے مالک بندہ ہو تو قرآن جواب دیتا ہے کہ :-

اولم یروا انا خلقنا لہم مما عملت آیدینا

انعاما فہم لہا مالکون (پ۲۳ یٰس شریف)

اور کیا نہیں دیکھتے ہم نے بنا دیئے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے چوپائے پھر وہ ان کے مالک ہیں۔

انصاف شرط ہے غور فرمایئے کہ ایک محقق صاحب جن پر عام طور سے وہ اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں جو خود بانی اسلام کو بھی معلوم نہ تھے معاذ اللہ، فرماتے ہیں جس چیز کا خالق اللہ ہو اس کا مالک بندہ نہیں ہو سکتا اور قرآن فرماتا ہے، کیا تم نے دیکھا نہیں کہ چوپائے جانور ہم نے پیدا کئے ہیں اور تم ان کے مالک ہو۔

حقیقت حال یہ ہے کہ خالق کائنات نے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اور انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا فرمایا ہے پوری متاع کائنات تمام عالم انسانیت کے فائدے کے لئے ہے اب اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہم کو شریعت عطا فرمائی ہے۔ تاکہ

دنیا کی نعمتوں سے نفع حاصل کرتے ہیں، ہم سے ظلم و جور واقع نہ ہو
اور یہ شریعت فطرت کے عین مطابق ہے۔ قانون یہ بنایا گیا کہ جو شخص
بھی اس متاع دنیا میں سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا بشرطیکہ اس سے
پہلے اس پر کسی دوسرے نے قبضہ نہ کیا ہو تو وہ اس چیز کا مالک سمجھا
جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ مالک کس کو کہتے ہیں تو شرعاً مالک وہ
ہے جو اپنی مقبوضہ چیز پر بلا کسی مزاحمت کے جائز تصرف کر سکے وہ
اپنی چیز بیچ سکتا ہے، ہبہ کر سکتا ہے، عاریتہً دے سکتا ہے رہن
رکھ سکتا ہے اس کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے اور اس میں
اس کے مرنے کے بعد میراث ہو گی اب اگر کوئی شخص اس چیز کو اس
کے مالک سے حاصل کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ آپ یہ کہہ کر
اس کی چیز میں سے حصہ بخرا کر لیں کہ اس کا خالق اللہ ہے اور ہم تم
دونوں اس کے بندے ہیں لہٰذا یہ چیز آدھی تمہاری آدھی ہماری۔
بلکہ شریعت نے اس کے یہ طریقے بتائے ہیں۔ خرید، فروخت، ہبہ
وصیت، میراث، یہ اصولی طریقے ہیں۔ ان کی فروع بھی ہیں ہر چیز
پر قبضہ اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ مثلاً شکار کا جانور ہے۔ اگر کوئی
اس کو پکڑ لے تو وہ اس کا مالک ہے پانی کا کنواں کھود دے تو اس کا
مالک ہے، زمین کو قابل کاشت بنائے، جبکہ اس پر پہلے کسی کا قبضہ
نہ ہو تو وہ اس کا مالک ہے اب اگر کسی نے ہرن پر قبضہ کیا تو وہ اس کو بیچ
بھی سکتا ہے۔ عاریتہ اور ہبہ، وصیت سب کچھ کر سکتا ہے اور کچھ نہ کرے

تب بھی اس کا ہرن اس سے کوئی نہیں چھین سکتا یہی حال زمین کا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ من احیا ارضا میتتہ فھی لہ۔ (اموال ابی عبیدہ ص۲۷۷) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا وہ اس کا مالک ہو گیا اس شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی اس زمین کو بیچ دے ہبہ کر دے، عاریتہً دیدے، وقف کر دے، بٹائی پہ دیدے لگان پر دیدے، وصیت کر دے۔ یا کچھ نہ کرے زبردستی اس کی زمین پر کوئی شخص مسلمان رہتے ہوئے قبضہ نہیں کر سکتا۔ بخاری شریف میں ہے۔

اور رافع بن خدیج راوی ہیں۔

ازرعوھا اوازرعوھا اوامسکوھا۔

(بخاری ص۳۱۵)

تم اس زمین میں کاشت کرو یا کاشت کراؤ یا اسے روکے رکھو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی حدیث مروی ہے۔

۲:۔ من کانت لہ ارض فلیزرعھا او فلیمنحھا فان لم یفعل فلیمسک ارضہ۔

(بخاری ص۳۱۵/ج۱)

جس کے پاس زمین ہو تو چاہیئے کہ وہ اس میں کاشت کرے یا بطور عاریت کسی کو دیدے اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

۲۳۔ ابوہریرہ سے مروی ہے کہ،

من کانت لہ ارض فلیزرعھا او لیمنحھا اخاہ فان ابی فلیمسک ارضہ۔

(مسلم صفحہ ۱۳/ ۲۰)

جس کے پاس زمین ہو تو چاہیئے کہ وہ اس میں کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بطور عاریت دیدے اور اگر وہ انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

کسی جماعت یا حکومت کو بھی اختیار نہیں کہ وہ کسی کی جائز مملوکہ زمین لے کر کسی کو دے۔ کتاب الخراج میں ہے۔

۲۴۔ فاما ما یاخذہ الولاۃ من ید واحد ارضاً اقطعھا آخر فھذا بمنزلۃ الغاصب غصب واحداً واعطی آخر۔

(کتاب الخراج صفحہ ۲۴)

اور وہ جو بعض حاکم کسی سے اس کی وہ زمین لے کر دوسرے کو دیدیتے ہیں، جو دوسرا حاکم اس شخص کو دے چکا تھا۔ بمنزلہ غاصب کے ہے کہ ایک سے لے کر دوسرے کو دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں نہایت

زور دے کر اور شدید تاکید سے مسلمانوں کو جو وصیت فرمائی وہ یہ تھی۔

اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا۔ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ۔ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (متفق علیہ)

بے شک تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں، جیسے تمھارا یہ دن (یوم النحر) تمھارے اس شہر میں (بیت اللہ) تمھارے اس مہینہ (ذوالحجہ) میں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کیا میں نے حق بات تم تک پہنچا دی۔ کیا حق بات میں نے تم کو پہنچا دی۔ سب نے کہا۔ جی ہاں! تب آپ نے فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ ہو جا۔

افسوس کہ جس امت کے مقدس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کی املاک کو اتنا مقدس قرار دیا ہو اس کے امتی جذبۂ لوٹ مار سے اتنے سرشار ہیں کہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں یہ زمینیں اور کارخانے حاصل کرنے میں ان کے مالکوں کو جان سے مارنا بھی پڑے تو ہم گریز نہ کریں گے۔ (دنیا اسفاہ، ایک دوسرے مقام پر رسول اکرم فرماتے ہیں۔

"كل المسلم على المسلم حرام - دمه وماله وعرضه"

(رواه مسلم)، مسلم کی ہر چیز (غصب کرنا) دوسرے مسلمان پر حرام ہے اسکی جان اس کا مال اور اس کی عزت "۔ یہ پیغام امن تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عطا فرمایا تھا مگر مسلمانوں نے ان تین باتوں میں سے ایک کی بھی پرواہ نہ کی۔

اور زمین کے متعلق تو آپ نے خصوصی طور پر فرمایا کہ جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی تو قیامت کے روز سات زمینوں سے زمین کا ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

قارئین کرام ہرگز یہ تصور نہ فرمائیں کہ اسلام اس ظالمانہ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا حامی ہے آپ یقین کیجئے کہ کبھی بھی کسی عالم دین نے اس نظام کو خلافت راشدہ کا نظام قرار نہیں دیا۔ ہمیشہ علمائے کرام موجودہ نظام کے خلاف رہے اور اب بھی ہیں علماء اس وقت بھی اس مغربی نظام حیات کے مخالف تھے جب کہ "ڈاکٹر" صاحبان فرماتے تھے "روح اسلام" یہی نظام ہے۔ اسلام کی ترقی اسی نظام سے ہوگی۔ ملک کا استحکام اسی نظام میں ہے اور علماء کو قسم قسم کی گالیوں سے نوازتے تھے۔ آج بھی علماء پوری قوت سے جدید اشتراکی نظام کی مخالفت میں ہیں اور انشاء اللہ آخر دم تک حسب مقدور کوشش کریں گے کہ مسلمان جو اب امریکہ اور برطانیہ کی گود سے کود کر نکل رہے

ہیں دوڑ کر روس اور اس کے کیمپ کی گود میں نہ جا بیٹھیں اور محض آقاؤں کی تبدیلی تک کام ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان سب کی غلامی چھوڑ کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کی حیثیت سے ہی دنیا میں اپنا مستقل وجود ثابت کر دیں یہی اصل حریت و آزادی ہے۔

اب سچے مسلمانوں کے سامنے دو اہم کام ہیں اول تو یہ کام ہے کہ مغرب سے درآمدہ نظام نے ہم مسلمانوں میں جو تباہ کاریاں کی ہیں ان کی اصلاح کی جائے۔ دوم یہ کہ ایک ظالمانہ نظام کی جگہ دوسرا سفاکانہ نظام نہ آنے دیں جو اپنے خونخوار پنجے کھولے کھڑا ہے اس سے ملک کے ناموس اور اسلام کی عزت کو بچانا ہے۔ ابھی سطحی ذہن رکھنے والے ان حقائق سے غافل ہیں۔

جب بھی کسی ملک میں اشتراکی نظام آتا ہے اس کا نشانہ سب سے پہلے علماء بنتے ہیں اور یہ سب سے بڑی اور بین دلیل اس امر کی ہے کہ یہ نظام اسلام کے خلاف ہے اس کام کے لئے باقاعدہ کچھ لوگوں کے ضمیر خریدے جاتے ہیں اور خریداری کے مختلف طریقے ہیں۔ مثلاً کسی کو لینن پرائز دے دیا کسی کو کمیونسٹ لٹریچر کا ٹھیکہ دے دیا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے ہر حملہ آور کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ حملہ کرے۔ پنجہ آزمائی کرے لیکن اسلام اس کا مقابلہ کرے گا۔

آج ہمارے ملک میں جس طرح کمیونسٹوں، سوشلسٹوں کی سوسائٹیاں

بن رہی ہیں لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے اور تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے جس طرح یہ لوگ کالجوں اسکولوں اور ملوں میں اپنی تبلیغ کر رہے ہیں اگر ایک مہینہ کے لئے یہ تمام سہولتیں مسلمان مبلغین کو اشتراکی ممالک میں فراہم کر دی جائیں تو یقین کیجئے کہ اشتراکیت کے تار پود بکھر جائیں۔

## بخاری و مسلم احادیث کے ٹکڑے جوڑنے کی بجائے ایک ہی مکمل حدیث پیشِ نظر رکھیئے!

حریت میگزین میں ڈاکٹر شوکت سبزواری صاحب نے اسلام کے اقتصادی نظام کو "وضع فرمانے کا" جو مشغلہ اختیار کر رکھا ہے اس میں وہ کہیں کہیں احادیث شریفہ سے بھی مدد لینے کی کوشش فرماتے ہیں۔ اسی قسم کی ایک کوشش بخاری شریف کی ایک حدیث کا آخری ٹکڑا انہاتً احتیاط سے نقل فرمایا کہ اس سے ان کا تمام استدلال باطل ہوتا تھا میرے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی لہٰذا میں نے اس بات کو افشا کر دیا گرفت چونکہ سخت تھی اس لئے اس پر ڈاکٹر صاحب کا غم و غصہ اِن کا فطری حق ہے مگر سننے میں آیا ہے کہ عمر کی پختگی سے انسان میں حلم کی صفت زائد ہو جاتی ہے لیکن یہاں معاملہ ایسا نہ ہوا۔ عالم غیض و

غضب میں کہیں فرماتے ہیں ۔

" جو پیشہ ورانہ انداز میں زینت محراب و منبر بنے ہوئے ہیں طہارت کے مسائل کی طرح خالص علمی مباحث کو بھی وہ اپنی جاگیر سمجھتے ہیں "

(یہ معلوم نہ ہو سکا کہ طہارت کے معاملے میں ڈاکٹر صاحب اپنی کم مائیگی کے معترف کیوں ہیں جبکہ طہارت ایمان کا حصہ ہے)

کہیں ارشاد ہوتا ہے ۔

"میں زمین کا خدا کے سوا کسی مفتی یا غیر مفتی کو مالک نہیں سمجھتا "

جب مذمت ہو چکی تو اپنی 'مدح سرائی' شروع فرمائی کہ میں وہ ہوں کہ جس نے پادری عبدالحق، پنڈت رام چندر دہلوی اور دھرم بھکشو سے مناظرے کئے اور اس طرح اسلام کی عزت بچی ۔ ان لوگوں سے ہمارے علماء نے بھی مناظرے کئے جس کو معلوم نہ ہو اس سے آپ اس قسم کی باتیں کیجئے اس کی تشریح بھی کسی موقع پر کر دوں گا ۔ بہرحال آپ نے ماضی میں اگر اس قسم کا کوئی کارنامہ انجام دیا ہے تو ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں کچھ تامل نہیں کیونکہ حریت میگزین کی ایک اشاعت سے آپ کے اچھے ماضی کا پتہ چلتا ہے یہاں تک کہ آپ کے چہرہ پر ایک خوبصورت داڑھی کی موجودگی کا بھی علم ہوا لیکن بات اب کی ہو رہی ہے ۔ حکما کا کہنا ہے کہ انسان اپنے ظاہر میں کوئی تبدیلی اس وقت کرتا

ہے جبکہ اس کا باطن شدت سے بدل جائے۔ اب آپ نے اسلام پر جو کچھ لکھنا شروع کیا ہے۔ غالباً وہ کفارہ حسنات کے طور پر ہے؟

خیال تھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف دیانت داری سے اعتراف کر لیں گے کہ غلطی ہو گئی لیکن اس کے بجائے وہ ایک اور غلطی فرماتے ہیں کہ ثبوت میں مسلم شریف کی حدیث جس میں "تو یوا جرھا" کا لفظ موجود ہے۔ دیکھئے حضور والا گفتگو سے قبل یہ خیال رکھنا چاہیئے، کہ مبحث اور محل نزاع کیا ہے محل نزاع ملکیت زمین کا مسئلہ ہے آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ملکیت زمین کے قائل نہیں۔ اس دعوے پر آپ نے ملکیت کی حدیث پیش فرمائی اور اس سے ایک جملہ نکال دیا کیونکہ وہ واضح طور پر زمین کی ملکیت کو ثابت کرتا ہے۔ خواہ وہ شخص زمین اپنے بھائی کو عاریتہً دے یا نہ دے یا اجرت پر دے اپنی اس غلطی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ تدبر سے کام لیا جاتا اور دیانت کے ساتھ بخاری کی حدیث کے ٹکڑے کو مسلم کی حدیث کے مذکورہ ٹکڑے سے ملا لیا جاتا۔ یہ عجب منطق ہے کہ فلاں کتاب کے ٹکڑے کو فلاں کتاب کے ٹکڑے سے جوڑو تب جاکر وہ ندرت خیال پیدا ہوگی۔ جو ہم چاہتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اتنی لمبی اچھل کود تو روا رکھی مگر بخاری کے ٹکڑے کو خود اسی کے ٹکڑے سے کاٹ لیا آج کل مفید ٹکڑے کاٹنے اور چپکانے کا نام تحقیق یا "ریسرچ" ہو گیا ہے۔ بلکہ فن تحقیق تو اب اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ "محققین" فرمودات رسول اور

خرافات مارکس و لینن کے ٹکڑے جوڑ کر نیا ایڈیشن پیش کر رہے ہیں
اب آپ کی خدمت میں خصوصاً اور تمام مسلمانوں کی خدمت میں عموماً وہ
احادیث پیش ہیں جو اس باب میں صریح ہیں کہ جب کوئی زمین خواہ وہ
کتنی ہی ہو کسی شخص کی جائز ملکیت ہو تو کوئی شخص مسلمان کہلاتے ہوئے
اور اسلام پر عمل کا مدعی بنتے ہوئے نہیں ہتھیا سکتا۔

۱:۔ رافع بن خدیج کی روایت میں ہے کہ "ازرعوھا اوازرعوھا
اوامسکوھا۔ (بخاری ص۳۱۵/ ج ۱) خود اس زمین کی کاشت کرو
یا کاشت کراؤ یا اپنی زمین اپنے پاس یوں ہی رہنے دو۔

۲:۔ حضرت جابر کی روایت میں ہے:۔ من کانت لہ فلیزرعھا
اولیمنحھا فان لم یفعل فلیمسک ارضہ (بخاری ص۳۱۵)
جس کے پاس زمین ہو اسے چاہیئے کہ وہ یا تو اس میں خود کاشت
کرے اور یا کسی کو عاریۃً دے دے اور اگر یہ دونوں کام نہیں
کرتا تو اپنی زمین اپنے پاس رو کے رکھے۔

مسلم شریف کی طرف آپ نے میری توجہ مبذول کرائی ہے تو
اس سے زمین کی ملکیت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

۱:۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔ قال کانت
لرجال فضول ارضین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
کانت لہ فضل ارض فلیزرعھا اولیمنحھا اخاہ فان

ابی فلیمسک اَرْضَہٗ (مسلم ص۱۱ ج۲) انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کچھ کے پاس زائد از ضرورت زمینیں تھیں تو آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس زائد از ضرورت زمینیں ہوں تو اسے چاہیئے کہ یا تو خود ان میں کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بطور عاریت دے دے۔ پس اگر ان دونوں باتوں پر راضی نہ ہو تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

۲:۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعھا اولیمنحھا اخاہ فان ابی فلیمسک ارضہ (مسلم ص۱۲ ج۲) جس کی زمین ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ یا تو اس میں کاشت کرے یا بطور عاریت دے دے اپنے بھائی کو اگر مالک ان دونوں چیزوں سے انکاری ہے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک جگہ لفظ ہبہ بھی ہے۔

۳:۔ فلیھبھا اولیعرھا (مسلم ص۱۲ ج۲) چاہیئے کہ ہبہ کر دے یا بطور عاریت دے دے۔

ان احادیث کے ملاحظہ فرمانے کے بعد غور کیجئے ڈاکٹر سبزواری صاحب فرماتے ہیں:۔

"حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ قانون کے سامنے زد راہیں ہیں (۱) خود کاشت کرے (۲) یا بلا معاوضہ

(خواہ عارضی طور پر سہی) دوسرے کے حوالے کر دے
جو کاشت کر سکتا ہو۔

جواباً عرض ہے کہ صرف یہ دو راہیں آپ کو اس وقت ہی نظر آ سکتی ہیں جبکہ آپ احادیث شریفہ کے ایک فقرے میں خیانت فرمالیں۔ لیکن جب آپ بجائے خیانت کے دیانت سے کام لیں تو آپ کو یہ تین راہیں نظر آئیں گی مگر واضح رہے کہ یہ تین راہیں زیر بحث احادیث میں ہیں۔ ورنہ اور راہیں بھی ہیں جن کو بعد میں انشاء اللہ تعالےٰ بیان کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا احادیث جو بحوالہ کتب درج کی ہیں ان میں کوئی بھی ایسا فقرہ ترک نہیں کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ (بقول ڈاکٹر صاحب) زمین پر ملکیت نہیں۔ قابل غور امر اہل علم کے لئے ہے کہ مسلم شریف کی نقل کردہ حدیث میں لفظ "فضول ارضیں" ہے۔ یعنی زائد از ضرورت زمینیں، ایسی زمینوں کے متعلق حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر وہ ان زمینوں پر بھی کاشت کرنے کو تیار ہو جائے تب بھی کوئی طاقت اس سے یہ کہہ کر زمین نہیں لے سکتی کہ چونکہ تمہارے خاندانوں کی ضرورت سے زائد ہے اس لئے اس لئے جبراً دوسرے کو دیدو۔ اگرچہ معطل رکھنے کی صورت میں بھی کوئی جبراً نہیں لے سکتا تو اب یہ حدیث ان منصوبوں پر پانی پھیر دیتی ہے جو غصب کے جواز کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

اب ذرا فلیمسک ارضہ" کو لیجئے:-

قوله امسکوها اترکوها معطلة۔

(فتح الباری کتاب الزراعة)

اس کو روک لو یعنی اس کو معطل چھوڑ دو۔

یعنی اگر زمین میں تم وہ دو کام نہیں کرنا چاہتے تو یونہی رکھو اس لئے کہ زمین غیر مستعمل رکھنے سے اس کی قوت بڑھ جاتی ہے اور پھر اگر کاشت نہ کیجائے دوسرے کو نہ دی جائے تو انسان اس میں اور بہت تصرفات کر سکتا ہے جو حدیث میں موجود ہیں اگر کوئی شخص اپنی زمین کے کسی حصہ کو معطل کر دے اس میں کاشت نہ کرے بلکہ اپنا مکان بنالے یا کارخانہ لگائے تو کیا آپ اسے کہیں گے کہ ہرگز نہیں یا کاشت کرو یا کراؤ۔؟

ڈاکٹر صاحب لفظ امسکوہا کو حدیث کا لفظ تو مانتے ہیں مگر اس پر راضی نہیں ہوتے۔ ان کا کہنا ہے "قابل کاشت زمین یونہی ڈالے رکھنا جسے حدیث میں امساک کہا گیا ہے اسلام کی روح کے منافی ہے۔" مجھے حیرت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی روح کو بہتر سمجھتے تھے یا ڈاکٹر صاحب زائد سمجھتے ہیں؟ اب اس اقرار لفظی اور انکار معنوی کی لطافتوں کو کون سمجھے ڈاکٹر صاحب نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے جو چیز پسند نہیں آتی خواہ وہ کتنی ہی صریح حدیث سے ثابت کیوں نہ ہو اس کو اسلام کی روح کے منافی کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ روح مرئی

شے نہیں کہ بخاری و مسلم میں نظر آ جائے یہ ایک لطیف شے ہے جو ڈاکٹروں کو نظر آتی ہے اس لئے اسپر کوئی کیا بحث کرے، ہاں اگر قرآن و حدیث کی بات ہو تو آدمی ہمت کرے کہ آنکھیں کھول کر دیکھ لو۔

یہ سب فرار عن الدین ہے ہمیں ہر فیصلے سے قبل قرآن و حدیث اور سبیل مسلمین کو دیکھنا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم روح اسلام کے نام پر اپنی نفسانی خواہشات سے کوئی فیصلہ مسلط کر دیں اور اس کی رو سے چودہ سو سالہ صالحین ومتقین مسلمانوں کا عمل بالشرع خلاف شرع قرار پائے۔ ڈاکٹر صاحب کا ملکیت زمین کی نفی کا دعویٰ یہ ہے کہ " زمین اللہ کی ہے اس لئے اب اس کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا۔"

قرآن و حدیث سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح دیگر موجودات عالم پر انسان اگر جائز ذرائع سے قبضہ کرے تو وہ اس کی ملک میں آ جاتے ہیں بالکل اسی طرح زمین بھی ہے۔ جب آپ زمین کے مالک ہو گئے تو اب اس کو بیچ بھی سکتے ہیں، ہبہ اور عاریت کے طور پر بھی دے سکتے ہیں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد اسکی وارث ہو سکتی ہے وغیرہ ان تمام تصرفات کے لئے آپ کو کسی ڈاکٹر یا غیر ڈاکٹر سے نو آبجکشن سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ضروری نہیں۔

# سرمایا داری کی خواہش پر

## سود حلال کیا گیا!

## اب

## سوشلزم کی خواہش پر

## انفرادی ملکیت کی نفی ہو رہی ہے!

حریت کے قارئین بخوبی واقف ہوں گے کہ ڈاکٹر سبز واری صاحب نے زمین پر شخصی ملکیت سے انکار کے جذبہ میں سرشار ہو کر بخاری شریف کی حدیث میں جو تحریف کی تھی اس کا پردہ میں چاک کر چکا ہوں جس کا جواب ڈاکٹر صاحب کی جانب سے سوائے طعن و تشنیع کے اور گالی گلوچ کے اور کچھ نہ مل سکا۔ بہرحال ہم ان تمام حالات سے گزرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں اگر ہمارے قلوب میں دین کی خاطر برا بھلا سننے کی ہمت نہ ہوتی تو ہم بھی آج بجائے قال اللہ اور قال رسول پڑھانے اور وعظ و نصیحت کرنے کے کوئی اور کارنامہ انجام دے رہے ہوتے۔ جب انسان راہ الفت میں قدم رکھتا ہے تو اسے ہر قسم کی صعوبتیں جھیلنا ہی ہوتی ہیں زمین پر شخصی ملکیت کے جواز کو میں نے

قرآن کریم اور احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حریت کی پچھلی
اشاعت میں پیش کر دیا ہے۔ اب سنڈے میگزین ۲۳؍جون ۶۹ء میں
ڈاکٹر صاحب کا مضمون پھر شائع ہوا۔ جس میں اکثر باتیں تو وہی تھیں جو
وہ ہر مضمون میں دہرانے کے عادی ہیں البتہ وہ چیز جس نے مجھے ان
سطور کے قلمبند کرنے پر مجبور کیا ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد ہے
"زمین کا مالک خدا ہے۔" اس پر میں تفصیل سے بحث کر چکا ہوں
اس پر صرف اتنا اضافہ کروں گا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت طاؤس
سے جو روایت بیان ہوئی اس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ:

"وعادی الارض للّٰہ ورسولہ"

"قدیم افتادہ زمین خدا اور اس کے رسول کی ملکیت ہے"

(حریت سنڈے میگزین ۲۳؍جون ۶۹ء)

ڈاکٹر صاحب اس حدیث سے زمین پر فرد کی ملکیت کے جائز نہ
ہونے پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہ آسکی
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرد ہیں ان کی ملکیت زمین پر
کیسے ثابت ہو گئی؟ ڈاکٹر صاحب کی وضع کردہ شریعت کے مطابق
یہ ہونا چاہیئے تھا کہ:

وعادی الارض للّٰہ : زمین صرف اللہ کے لئے ہے۔

کیونکہ زمین کا خالق اللہ ہے نہ کہ رسول، لہٰذا ڈاکٹر صاحب
کے اصول کے مطابق مالک صرف اللہ ہی کو ہونا چاہیئے تھا نہ کہ رسول

کو بھی؟ معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب بتدریج زمین کی ملکیت اللہ، رسول، صحابہ اور پھر آخر میں افراد مسلمین کے لئے ثابت کر ہی دیں گے۔ ع

## کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

ڈاکٹر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ عربی الفاظ کے صحیح ترجمے کے ساتھ ایک اور لفظ اپنی طرف سے بھی بڑھا دیتے ہیں تاکہ اصلی کے ساتھ مل کر نقلی بھی اصلی کے داموں فروخت ہو جائے۔
عادی الارض ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہر ایسی زمین کہ جس کا اصلی مالک معلوم نہ ہو، اس میں لفظ افتادہ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ حالانکہ ایک لغت نویس کو "فقہ اللغۃ" سے واقف ہونا چاہیئے۔ معلوم نہیں لغت میں کیا خزف ریزے بھرے ہوں گے۔ اب نہایت غور سے ڈاکٹر صاحب کا عظیم کارنامہ ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس کا آخری لفظ نہایت احتیاط سے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس سے ان کا تمام منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ اب پوری حدیث ملاحظہ ہو۔

• عن طاؤس مرسلا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احیا مواتا من الارض

فهو له وعادی الارض للہ ورسولہ ثم

هی لکم منی ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۵۱ کتاب الاول

لابی عبید القاسم بن سلام)

۔ طاؤس سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے افتادہ زمین کو آباد کیا وہ

اس کا مالک ہے اور وہ زمین جس کا مالک معلوم نہیں

وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے پھر اس کے تم

میری طرف سے مالک ہو۔

• ـــــ عادی الارض کی تفسیر میں شارحین حدیث نے لکھا ہے :۔

ای قدیمھا التی — یعنی پرانی زمینیں جن کا

لا یعرف لھا — مالک معلوم نہ ہو۔

مالک۔

اور للہ ورسولہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :۔

اتصرف فیھا — میں ان میں جو تصرف

کیف آشاء واعطی من — چاہوں کروں گا اور

آشاء۔ — جس کو چاہوں گا دونگا۔

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں زمین

کی وسعتوں کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ (۱) موات (۲) عادی

موات کے بارے میں فرما دیا کہ جو چاہے آباد کرے اور وہ شرعاً اس کی

ملک میں ہے اور عادی، میں جس کو جتنا چاہوں کا عطا کر دوں گا۔

ہمیں اس حدیث کے کسی لفظ سے ملکیت کی نفی نہیں ملتی۔ بلکہ ملکیت کا اثبات ملتا ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو آپ پھر لفظ اللہ میں جو "ل" ہے اس پر غور فرمائیں اور پھر "لکم" میں جو "ل" ہے اس پر غور کرلیں، کیا میں اہل علم کو فیصل بنا کر ڈاکٹر صاحب سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ حدیث رسول میں کیوں خیانت اور قطع برید فرما رہے ہیں؟ اور پھر تحریف دونوں قسم کی لفظی بھی معنوی بھی۔ لفظی اس طرح کہ جو لفظ اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ اس قسم کی زمین کے مالک اول اللہ کے رسول ہیں اور پھر رسول کی عطا سے عام مومنین بھی مالک ہو سکتے ہیں آپ نے ان لفظوں کو کمال احتیاط سے اڑا دیا۔ اور معنوی اس طرح کہ آپ نے "عادی الارض" کے ترجمے میں ارض موات کے ترجمے کو بھی داخل کرکے دونوں کا کام ایک ہی کر دیا۔ جب کہ خدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کر رہے ہیں جیسا کہ حدیث نبوی کے ابتدائی حصہ سے ظاہر ہے۔ ڈاکٹر صاحب آپ جو چاہیں فرماتے رہیں مگر خدارا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ساتھ یہ ظلم روا نہ رکھیئے لغت کی اور بات ہے اس میں اگر غلطی ہوئی تو صرف دنیا ہی میں پکڑ ہوگی یا آپ کہہ دیں گے کہ یہ محاورہ میری ایجاد ہے تو بھلا پھر آپ سے کون الجھے گا لیکن حدیث رسول، لغت نباشد میں آپ سے نہایت مودبانہ عرض کروں گا کہ آپ اپنے تخلیقی مضامین

لکھیئے، اردو ادب سے متعلق لکھیئے اور آپ کو حق ہے کہ اس بارے میں جتنی معلومات ہیں وہ بھی لکھیئے لیکن اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کو مدنظر رکھیئے: "لا تقفُ مالس لک بہ علم" جس کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ دین کے معاملے میں خدا نے سمع و بصر اور عقل و فکر پر پہرے بٹھا دیئے ہیں۔

اس مرتبہ آپ نے ابن خلدون کو بھی دھر گھسیٹا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ ابن خلدون سے کیا کہلوانا چاہتے ہیں۔ بلا وجہ میں نے اس میں کئی گھنٹے صرف کئے انھوں نے کتاب اول کی پانچویں بحث میں اس کے سوا کچھ نہ کہا جو مسلمان کہتے ہیں بلکہ موجودہ معاشی نظریات پر کاری ضربیں لگائی ہیں۔ آپ اسے دوبارہ پڑھ لیں۔ آپ کے تین نکات کا اجمال پڑھا۔ مگر تفصیلات میں لغزوں، افسوس، لعن طعن، دعوائے مجددیت، تحریف لفظی و معنوی، تکرار لفظی کے علاوہ کوئی علمی بات نہ مل سکی۔ آخر میں گذارش ہے کہ ہمیں ضرور مغربی سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام کو ڈھا دینا چاہیئے اور اسلامی معاشی نظام کا محل تعمیر کرنا چاہیئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم سرمایہ داری اور اشتراکیت کے بارے میں تو کچھ نہ کہیں اور اسلام کا گلا دباتے چلے جائیں ہمیں صاف صاف کہہ دینا چاہیئے کہ کیپٹلزم اور سوشلزم دونوں ہی مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں کیا آپ نے کبھی سنجیدگی سے غور نہیں فرمایا کہ آپ جیسے لوگوں کی علمی اور عملی آزادی نے کتنے مسلمانوں کے

دلوں سے اسلام کی عظمتیں محو کر دی ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ تو جس نظام حیات کا چرچا دیکھتے ہیں لکھ دیتے ہیں کہ اسلام کی روح بھی یہی ہے کبھی سرمایہ داری کے ڈھانچے کو سہارا لگانے کے لئے سود کو حلال کر دیتے ہیں اور کبھی سوشلزم کو رائج کرنے کے لئے شخصی ملکیت کے واضح اسلامی نظریے کو ہی مسخ کرنے لگ جاتے ہیں آخر آپ ملکیت کے حدود و قیود اور اس پر عاید شدہ ذمہ داریوں اور حلال طیبب کے کسب تبذیر و اسراف اور معاشی عدل جیسے اہم مسائل پر کیوں نہیں سوچتے۔ غیر فطری مساوات سے آپ کو اتنی دلچسپی کیوں ہے خود اپنے گھر کے افراد پر نگاہ ڈالئے آپ اور وہ کتنی چیزوں میں تکوینی یا تشریعی طور پر مشترک ہیں۔ جب ایک گھر کے افراد میں مساوات نہیں تو ملک بھر کے لوگوں میں مساوات کیسی؟ واللہ الموفق الی سبیل الرشاد۔

---

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں

اللہ کرے تجھ کو عطا جرأتِ کردار

(اقبال)

# سُود کی حلت پر

# ڈاکٹر سبزواری صاحب

# کا فتویٰ!

ہم نے اپنے مضامین میں ذکر کیا تھا کہ "ڈاکٹر صاحب نے سرمایہ داری کی فرمائش پر سود حلال کیا تھا" تو اس پر سبزواری صاحب کی طرف سے پردہ داری کی کوشش کی گئی کہ ہم نے ایسا نہیں ایسا کہا تھا۔

میں نے تلاش بسیار کے بعد ڈاکٹر صاحب کے مسودات متکلم کو تلاش کر لیا ہے۔

"ربا کی شرعی حیثیت واضح نہیں، اسکی تشریح و تفصیل نیز حرمت میں اہل علم و امر کا اختلاف دیکھا گیا ہے چنانچہ آج سے تقریباً نصف صدی پہلے دیوبند کے مشہور عالم مولوی ناظر حسین صاحب نے جو میری طالب علمی کے زمانے میں شمس الہدیٰ پٹنہ کے صدر مدرس تھے عام اور متعارف سود کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔" (انجام ۹ر نومبر ۱۹۶۳ء)

ڈاکٹر صاحب کے اس فتوے سے ظاہر ہو گیا کہ سود کے حلال ہونے پر نہ تو قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ہے نہ ہی خلفائے راشدین تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس میں کچھ اختلاف ہے البتہ پٹنہ کے ایک صدر مدرس صاحب نے آج سے تقریباً نصف صدی پہلے اختلاف کیا تو سود جائز ہو گیا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے بعد کوئی یہ کہنے لگے کہ سود جائز ہے اس لئے کہ اب سے تقریباً نصف صدی پہلے ڈاکٹر سبزواری صاحب اسکو جائز قرار دے چکے ہیں۔

اب ڈاکٹر صاحب قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو انھیں قرآن میں بھی سود کا جواز نظر آتا ہے (معاذ اللہ) کہتے ہیں۔

"قرآن کا فیصلہ ہے کہ اے مسلمانوں! دگنا تگنا ربا مت لو لوگوں کی چمڑی مت ادھیڑو"

(انجام ۷ر نومبر ۱۹۶۳ء)

غور فرمایئے کہ قرآن کو کس طرح کھلونا بنایا جا رہا ہے ڈاکٹر صاحب کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ دس روپے پر ۹ روپے سود لینا حلال و طیب ہے لیکن یہ بات حرام ہے کہ دس پر دس روپے سود لیا جائے۔ لہٰذا۔ ڈاکٹر صاحب کے اسلام میں سرمایہ دار اب بھی بہت نقصان اٹھا رہے ہیں کہ سود کی

شرح کم رکھی ہوئی ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے انکو بہت چھوٹ دے رکھی ہے۔

اب آپ ہی غور فرمائیے کہ اس قسم کے لوگ کس منہ سے سرمایہ داری کی مخالفت کر سکتے ہیں اور اگر مخالفت کریں بھی تو اس میں وہ کب سچے ہو سکتے ہیں۔ ان کا مقصد نہ تو سرمایہ داری کی مخالفت ہے نہ اشتراکیت کی حمایت بلکہ مقصود بالذات یہ ہے کہ اسلام کے مسلمات اور اس کے بنیادی اصولوں کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا جائے اب آپ خود دیکھئے کہ یہ کس قدر طفلانہ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے "دگنا کھانے کی ممانعت کی ہے"۔ پھر کل کلاں کو دوسرے صاحب اٹھ کر کہیں گے کہ صاحب اللہ تعالےٰ نے "سود کھانے کی ممانعت کی ہے"۔ لہٰذا سود کھانا تو حرام ہے مگر اس سے بلڈنگ بنانا اور کار خریدنا وغیرہ جائز ہے (استغفر اللہ) جب اللہ تعالےٰ نے یہود پر سبت کو حرام کیا اور اس دن شکار کی ممانعت کی تو انھوں نے بھی اسی قسم کی تاویلات کی تھیں۔ لیکن خدا کو دھوکا دینا کب ممکن ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ جتنی بھی محرمات قطعیہ ہیں ان کا قلیل و کثیر سب ہی حرام ہے۔ شراب کا ایک قطرہ اور ایک پیگ یکساں طور پر حرام ہے پھر دیسی اور انگلش دونوں قسم کی شراب حرام ہے یہ نہیں کہ دیسی

وہی شراب ہو جو نزول قرآن کے وقت بنائی جاتی تھی اور اب جو سائنٹفک طریقوں سے بنتی ہے وہ حلال ہو جائے۔ قرآن سے فرصت حاصل کرنے کے بعد حدیث کی طرف عنان توجہ کو موڑا اور اشہب قلم کو یوں مہمیز لگائی۔

"ان احادیث سے ربا کے مفہوم کی وضاحت نہیں ہوتی اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام ربا (سود) کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ... بہرحال احادیث سے بینک کے سود پر جو اس وقت زیر بحث ہے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

(انجام نومبر ۱۹۶۳ء)

ظاہر ہے کہ جب ان آیات و احادیث سے روشنی حاصل ہی نہ کی جائے گی جو اس سلسلہ کی ہیں تو روشنی کیسے پڑے گی اگر اس آیت ہی کو لے لیا جائے تو حرمت سود پر اس کی روشنی سورج سے بھی زائد ہو گی۔

اِتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِن کُنْتُمْ مُؤمِنِین، فَاِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (البقر)

اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا لوگوں پر ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر تم

نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف
سے جنگ کا اعلان قبول کر و۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سود ختم کر دیا تھا کسی
ادنیٰ سے ادنیٰ شرح کو باقی نہ رکھا، بس اصل مال مالک کے لئے
ہے۔ قرآن میں ہے:۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فلکم رُؤُسُ اَمْوَالِکم (البقر)

اور اگر تم توبہ کر لو تو تم اپنے راس المال لینے کے
ہی حقدار ہو۔"

اب اس آیت میں کہیں نہیں ہے کہ "اگر تم توبہ کر لو تو
اتنا لے سکتے ہو کہ دینے والے کی چمڑی محفوظ رہے۔"

حدیث شریف میں صراحت سے سود کھانے والے اس
کے گواہ اور اس کے لکھنے والے تک پر لعنت کیگئی ہے۔
اب یہ کہنا کہ وہ کون سی اجناس ہیں جن میں سود ہے اور
وہ کون کون سی ہیں جن میں سود نہیں ہے۔ تو ان جزئیات
کی اگر تشریح نہ بھی ہو تو ان کے اصول بہر حال موجود ہیں
اور ان میں بینکنگ اور روپے پیسے کے سود میں تو کسی قسم
کا خفا ہے ہی نہیں۔ اور پھر اصل مسئلہ شرح سود کا ہے۔
میں دعوے سے کہتا ہوں کہ سود کی ہر شرح نصوص قطعیہ
سے حرام ہے اور اس کی حرمت پر ہمارے پاس

بیان شافی موجود ہے۔ اور کسی صحابی نے شرح سود سے متعلق بیان شافی نہ ہونے کا قول نہیں کیا۔ اگر ہے تو سودی اشیاء سے متعلق ہے۔ سبزواری صاحب نے سود کے متعلق جو بے ربط باتیں لکھی ہیں اور جس طرح غلط مبحث سے کام لیا ہے اس وقت اس کے بیان کا موقع نہیں یہ سطور تو صرف اس لئے لکھی گئی ہیں تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات کس قدر متضاد نظریات رکھتے ہیں اور اسلام کے بارے میں کس حد تک سنجیدہ ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں سبزواری صاحب کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا جائز سجادہ نشین سمجھتا ہوں۔

---

# اصلاحِ معاشرہ

ہر زمانے اور ہر قوم میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں اور اب بھی ہیں جو اصلاح معاشرہ کی صدق دل سے فکر کرتے ہیں وہ معاشرہ کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور پھر نبض پر ہاتھ رکھتے اور اپنے علم و صوابدید کے مطابق تشخیص مرض کرتے ہیں اور پھر علاج تجویز

کرتے ہیں۔ لیکن اس امر سے ہر شخص بخوبی واقف ہے کہ اصلاح معاشرہ کے نظریات مختلف ہیں۔ ایک نظریے سے معاشرہ کی بعض باتیں مرض ہیں۔ جبکہ دوسرا نظریہ ان کو صحتمندی کے لئے علامت سمجھتا ہے اور بالعکس۔ پھر بعض نظریات ایسے ہیں جن کے نزدیک زندگی کی کوئی قدر پائیدار نہیں، انسانیت کے جتنے فضائل ہیں وہ سب مستقل نہیں۔ زندگی ڈانوا ڈول ہے۔ بعض معاشرے ایسے بھی ہیں جن میں انسان کو بے لگام چھوڑ دیا گیا ہے اور پھر وہ جو کام کرتا ہے ان کو عین کمال انسانیت قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں معاشرہ زندگی کی مستقل اقدار پر تعمیر ہوتا ہے اسلام میں اس قسم کا کوئی تصور نہیں کہ افراد تو بگڑے ہوئے رہیں اور معاشرہ سنور جائے۔ جیسے ایک صاحب فرماتے ہیں،

"جو لوگ معاشرہ کے سدھارنے کی غرض سے فرد کی اصلاح کے درپے ہیں وعظ و تلقین یا پند و مواعظ سے فرد کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں وہ الٹی گنگا بہا رہے ہیں"۔ (ڈاکٹر شوکت سبزواری حریت ۳۰ رجون)

لیکن خدا کے رسول اور نبی تو معاشرے کی اصلاح وعظ و نصیحت ہی کے ذریعے ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر نبی نے اپنی قوم کو وعظ کیا۔ اسلام نے بھی اصلاح کا سب سے بہتر طریقہ یہی بتایا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:-

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ : (آپ لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف دانشمندی اور اچھے وعظ سے بلائیے ۔)

اب قرآن کریم تو وعظ ونصیحت کو طریقہ اصلاح قرار دے رہا ہے اور ایک ڈاکٹر الٹی گنگا بہا رہے ہیں ۔ ہمیں چاہیئے کہ جب ہم کوئی بات نوک قلم یا نوک زبان پر لائیں تو پہلے کسی عالم دین سے پوچھ لیں کہ بات قرآن کے خلاف تو نہیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ قوم کے باکردار افراد ہمیشہ وعظ ونصیحت کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ کیونکہ یا تو وہ اس کے معیار پر پورے اترتے ہیں یا پھر اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اصلاح کی کوشش کرتے ہیں لیکن ہر قوم میں کچھ ایسے بے کردار لوگ بھی ہوتے ہیں جو نصیحت کرنے والوں کے دشمن ہوتے ہیں ۔

قرآن کریم میں ہے :۔

"وقال یقوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون النصحین ۔

(پ ۸ ع ۱۷)

"میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمھیں نصیحت کی لیکن تم تو نصیحت کرنیوالوں کو پسند ہی نہیں کرتے" ۔

اب ہمیں گنگا جمنا کا رخ متعین کر لینا چاہیئے کہ کس طرف سے الٹی ہے اور کس طرف سے سیدھی ہے ؟

جو لوگ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں (تاریخ سے واقفیت کا ذکر اس لئے کیا کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری صاحب کہتے ہیں: "اور جن خطوط پر حضور اکرم نے آج سے تیرہ سو کی سال پہلے" (۲۰ جون حریت میگزین)۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تبلیغ اسلام کے آغاز سے اب تک ساڑھے تیرہ سو سال ہوئے ہیں۔ ہمارے ناقص علم میں آپ کی ہجرت کو ۱۳۸۹ھ سال ہوئے۔ اور تبلیغ نبوت کے آغاز کا سن اور جوڑ لیجئے۔ ویسے بچے بھی جانتے ہیں کہ قرآن شریف کے نزول کا چودہ سو سالہ جشن منایا جا رہا ہے۔ یہ الفاظ اس لئے لکھے کہ میرے علم دوست حضرات خود ساختہ محققین کی اس انوکھی تحقیقات سے محروم نہ رہ جائیں۔ انھیں معلوم ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے افراد ہی کی اصلاح کی۔

---

کیا آپ نے یہ دعاء نہ کی؟

"اے اللہ اسلام کو عمر بن خطابؓ یا عمر بن ہشامؒ سے تقویت پہنچا" (یعنی ان کو مسلمان کر دے)

کیا آپ نے ایک ایک آدمی کا دامن پکڑ کر اسے نصیحت نہ فرمائی۔ آپؐ مکی زندگی میں کیا کرتے رہے۔ کیا قوم کے سامنے اقتصادی منشور پیش فرماتے رہے یا جنت دوزخ کا ذکر کرتے رہے۔؟ حالانکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت

کا عالم یہ تھا کہ تین سال مسلسل چمڑا اور پتے کھا کر شعب ابی طالب میں گزار دیئے اور کبھی اسلام سے انحراف نہ کیا۔ اگر وہ چاہتے تو کافروں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر پراٹھے کھا سکتے تھے۔ لیکن معلوم تھا کہ وہ پراٹھے جو اسلام کے لئے خطرہ بن جائیں اس روکھی سوکھی کے سامنے بے حقیقت ہیں جس سے اسلام پر آنچ نہ آئے۔

حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں ایک ایسے معاشرے کی اصلاح کے لئے (یعنی اولین سابقہ اس معاشرے سے ہوا۔) مبعوث ہوئے جو ہر قسم کے عیوب کا مرکز تھا۔

کامل تلاش و جستجو کے بعد مجھے بیسویں صدی کے معاشرے میں کوئی ایسا نیا مرض نظر نہیں آتا جو چھٹی صدی کے معاشرے میں موجود نہ ہو۔

عقلیت RATIANALISM مادیت — MATE-RIALISM — قومیت NATIONALISM (انھارہویں صدی) کا نظریۂ قومیت بھی جاہلیت اولی کی طرف رجعت قہقری ہے۔

آپ کے ہاں بی اے کے کورس میں انگلش لٹریچر کی ٹیکسٹ بک ENGLISH STUDIES SERVIES ہے اس میں NATIONALSIM کا باب پڑھئے صاحب

مضمون کہتا ہے :

"اٹھارہویں صدی کے موڈرن نیشنلزم کے
بانی علماء اور شعراء ہیں۔ جنھوں نے اس
نظریہ کو بھولے بسرے جنگلی گیتوں اور پرانے
قصے کہانیوں سے حاصل کیا ہے۔"

افسوس کہ اس کتاب میں نیشنلزم، ڈیماکریسی، مغربی تہذیب
کی وسعتوں اور امن اور مسئلہ آبادی سب مضامین موجود ہیں
مگر نہیں ہے تو صرف اسلام پر نہیں لکھا ہے کیا THE RECARCH
OF WORLD ORDER میں اسلام کا پیش کردہ نظریہ
امن پیش نہیں کر سکتے تھے ؟

اس کورس کو پڑھنے کے بعد ہمارے نوجوان اسلام
سے کیا ربط باقی رکھ سکتے ہیں )

اقتصادی مسئلہ ECONOMIC PROBLEM
بڑی شدت سے موجود تھا۔ کیونکہ اگر آبادی کم تھی تو جدید
سائنٹفک طریقوں سے وہ لوگ لا علم تھے اس لئے تناسب وہی
ہو جاتا ہے جو آجکل ہے۔

پیٹ کے پجاری اور خدا کی رزاقیت پر توکل نہ کرنے
والے اس وقت رزق کی قلت سے ڈر کر اپنی اولاد کو پہاڑوں
سے گرا کر، زندہ درگور کر کے اور ذبح کر کے قلت رزق

کے مسئلہ کو حل کر رہے تھے مگر قرآن نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق
نحن نرزقکم وایاھم

(پ ۸ ع ۶)

"اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں اور ان کو رزق دیں گے"

ہم نے زمین کے سینے میں اور پانی کے قطروں میں تمھارا رزق رکھا ہے۔ جتنا تم زمین سے حاصل کرنا چاہو گے زمین کو بخیل نہ پاؤ گے۔ رزق میں کمی بیشی کا ہونا ایک فطری امر ہے جس طرح اور بے شمار چیزوں میں تفاوت اونچ نیچ ہے اور پھر کسی کو شکوہ کا حق نہیں اور جو شکوہ کرے وہ کافر ہے کیا دنیا میں کمزور اور طاقتور نہیں، دراز قد اور پست قد نہیں۔ کسی کی بیوی حسینہ ہے اور کسی کی بدصورت کسی کا شوہر خوبرو ہے اور کسی کا نہیں۔ کوئی خردمند ہے اور کوئی نادان اور اس کے علاوہ بے شمار تخلیقی اور تکوینی امتیازات ہیں ان امتیازات کی وجہ سے معاشرہ عجیب کشمکش میں رہتا ہے ان کے مٹانے کا کیا انتظام ہو گا۔ اگر آپ کہیں کہ ہاں صاحب ہم لمبے آدمی کی ٹانگیں کاٹ کر اس کو چھوٹا نہیں کر سکتے اور

اور چھوٹے آدمی کو لمبا نہیں کر سکتے وغیرہ، لیکن معاشی تقسیم کا معاملہ تو ہمارے ہاتھ میں ہے اس میں تو ہم برابری کر سکتے ہیں۔

تو مجھے نہایت ہمدردی سے عرض کرنا پڑے گا کہ ہم مسلمان رہتے ہوئے یہ نظریہ قائم نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن کھلم کھلا اس کے برخلاف فرماتا ہے:۔

"اھم یقسمون رحمۃ ربک ط نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا ودفعنا بعضھم فوق بعض درجٰتٍ لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا ہ ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون (پ ۲۵ زخرف ع ۳)

کیا وہ تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں؟ ہم ہی نے ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا اور ایک کو دوسرے پر درجوں . . . بلندی دی تاکہ ان میں سے بعض بعض کو مطیع کرے اور تیرے رب کی رحمت (اتباع نبوت) اس سے بہتر ہے وہ جو (مال) جمع کرتے ہیں۔"

لیجئے قرآن کی صریح آیات میں معاشی تفاوت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی وجہ اور حکمت بھی بتائی گئی ہے۔ اور آخر میں سرمایہ داری پر بھی ضرب لگا دی کہ مال و دولت کے انبار لگانے والوں کو چاہیئے کہ وہ جس مال سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ بہتر تو اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ انھیں دیکھنا چاہیئے کہ یہ مال انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق (حلال و طیب) حاصل کیا ہے یا نہیں؟ اس کے حصول میں انھوں نے دوسروں کے حق تو نہیں مارے ہیں۔ تضییع و اسراف تو نہیں کیا ہے؟ اس مال پر عائد ہونے والے حقوق ادا کئے ہیں یا نہیں اور اگر یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس مال زائد ہے تو ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا کہ:۔

"واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب"

اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے اور دے گا۔

بہر حال اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ بجائے اس کے کہ دوسرے کے جائز مال حاصل کرنے کے درپے ہوں اور حرص و آز کے مہلک مرض میں مبتلا ہوں۔ اپنے اندر صبر و شکر کی

صفات پیدا کیجئے۔ میں تفصیل سے اپنے پچھلے مضامین میں لکھ چکا ہوں کہ اگر سرمایہ کاری پر اسلامی حدود و قیود کو لاگو کر دیا جائے تو موجودہ مفاسد کی جڑ ہی ختم ہو جائے گی اس لئے مسلمانوں کو سرمایہ داروں کی بے جا حمایت کا طعنہ دینا حماقت ہے۔ یہ حرص تو وہ بری بلا ہے کہ آپ کو جتنا ہی ملے گا آپ کہیں گے، **ھل من مزید** کیا کچھ اور ہے؟

ایک صاحب نے اصلاح معاشرہ کا یہ نسخہ تجویز کیا ہے!

> روزی کا مسئلہ حل ہو جائے تو معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو . . . . . ہمارے جملہ سماجی مفاسد وامراض کی جڑ معاشی ناآسودگی ہے۔

(ڈاکٹر شوکت سبزواری۔ سندھ حریت میگزین)

میں اس پر ایک سوال کرتا ہوں اور جواب کے لئے تمام زندگی کی مہلت دیتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ، جملہ مفاسد آپ کے بقول معاشی ناآسودگی سے پیدا ہوئے ہیں تو یہ بتائیے کہ وہ لوگ جو معاشی طور پر ہر طرح آسودہ ہیں اسلامی نقطۂ نظر سے پوری طرح

درست و ٹھیک ہو گئے ؟ اگر ایسا ہے تو پھر آپ کا سرمایہ داروں
کو دن رات گالیاں دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں
ہے بلکہ معاشی آسودگی رکھنے والے معاشرے بھی اسلامی نقطہ نظر
سے مریض اور شدید مریض ہیں تو تمام مفاسد کی علت معاشی ناآسودگی
کو قرار دینا غلط اور خلاف قاعدہ ہے۔ ہم معاشی ناآسودگی کو سبب
امراض نہیں سمجھتے بلکہ منجملہ امراض کے ایک مرض تصور کرتے ہیں
پورے معاشرے میں مرض کی علت مشترکہ : اللہ اور اس کے
رسولوں (علیہم السلام) پر ایمان میں ضعف حشر و نشر کا تصور نہ کرنا
جنت و دوزخ کو محض قصہ و کہانی تصور کرنا (جیسا کہ مسعود صاحب
کہہ چکے ہیں) خوف خدا نہ ہونا۔ یہی وجہ ہے جس طرح ایک غریب
مال کی ہوس میں مبتلا رہے بالکل اسی طرح امیر بھی ہے، جس طرح
غریب جھوٹ بول رہا ہے امیر بھی بول رہا ہے غرض کہ تمام
گناہوں میں امیر و غریب ایک فہرست میں نظر آتے ہیں یہ علیحدہ
چیز ہے کہ اسلام کی روح سمجھنے والے ان تمام چیزوں کو معاشرے
کی بیماری نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں مگر در حقیقت اسلامی معاشرہ کے
لئے ضروری ہے کہ اس کے افراد ظاہر و باطن کے لحاظ سے متبع
شریعت ہوں۔ معاشرے کے ڈاکٹر کے نزدیک معاشرے میں
خرابی صرف یہ ہے کہ وہ دنیاوی لحاظ سے ناآسودہ ہے اور بس
ایسے ہی نعرے لگانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے

میں بھی تھے وہ کہتے تھے کہ:

"وما هی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا"

"بس جو کچھ ہے وہ دنیا ہی کی زندگی ہے یہیں ہم زندہ ہیں اور یہیں مریں گے"

ایسے لوگوں کو قرآن نے نہایت حقارت سے ٹھکرایا۔ ارشاد فرمایا ہے کہ:

"یعلمون ظاهرا من الحیوٰة الدنیا وهم عن الاخرة هم غفلون"

(پ ۲۱ روم)

"وہ دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ غافل ہیں"

ہمارے ملک میں بھی عشاقانِ دنیا کا ایک گروہ اپنا سب کچھ (حتیٰ کہ ایمان بھی) دنیا کی ظاہری چمک دمک پر لٹانے کو ہر وقت تیار ہے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔

"دین پر دنیا مقدم ہے اور دلیل یہ کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اے میرے رب مجھے دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی"

(ڈاکٹر سبزواری - حریت میگزین ۳۰ جون ۶۹ء)

حیرت ہے کہ جو لوگ ۔ نظم قرآنی کی فہم سے بھی کورے ہیں وہ مدعی ہیں کہ روح اسلام کو ان کے سوا کسی نے نہیں سمجھا اور یہ کہ اللہ نے تمام لوگوں میں صرف انھیں کو قرآن سمجھنے کے لئے منتخب فرمایا ہے ۔ استدلال کا دار و مدار اس چیز کو ٹھہرایا جارہا ہے کہ قرآن میں لفظوں میں دنیا کا ذکر پہلے اور آخرت کا بعد میں۔ لہٰذا دنیا آخرت سے افضل ہو گئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صد آفریں اس نکتہ دانی پر جب یہ لوگ قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہوں گے کہ واسجدی وارکعی اور سجدہ کر اور رکوع کر تو شاید پہلے سجدہ کرتے ہوں گے اور بعد میں رکوع کیونکہ ان کے وضع کردہ قاعدے کے مطابق ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

پھر قرآن کی اُن آیات کے بارے میں کیا حکم ہے جن میں آخرت کا ذکر دنیا سے پہلے ہے ۔ حضور والا قرآن فہمی لغت نگاری سے بہت مختلف ہے آپ علماء کو کتنی ہی گالیاں دیں لیکن اس طرح ان کا علم دین آپ کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا اب ہمارے اہل علم پر ایسے محققین کا پردہ چاک ہو چکا ہے ۔ آپ جو چاہیں کہتے رہیں لیکن معاف کیجئے قرآن و حدیث میں کھینچ تان کا حق کسی کو نہیں ۔ آپ کہتے ہیں دین پہ دنیا مقدم ہے ۔ اور خدا فرماتا ہے ۔

• وللآخرۃ خیرلك من الاولیٰ :

(والضحیٰ)

اور البتہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔"

بولئے آپ کی مانیں یا اپنے رب کے وعدے پر یقین کریں اس قسم کے لوگ پہلی امتوں میں بھی تھے اور ان کی امنگیں بھی ایسی ہی تھیں تشابہت قلوبہم۔ جب وہ قارون کے جاہ وجلال کو دیکھتے تو کہتے۔

یالیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم۔ (۳۰-د)

اے کاش ہمارے لئے بھی وہی کچھ ہوتا جو کہ قارون کو ملا ہے۔ بلاشبہ اس کو بڑا حصہ ملا ہے"

موجودہ دور کے قارونوں کو دیکھ کر آپ اپنے پیشواؤں کے بتائے ہوئے نعرے لگا رہے ہیں۔ لیکن اہل علم کہہ رہے ہیں:۔

وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن آمن وعمل صالحا۔ ولا یلقہا الا الصابرون (۲۰/د)

اور جو علم کی دولت سے سرفراز کئے گئے انھوں نے کہا کہ تمہاری خرابی ہو۔ اللہ کا ثواب بہتر (آخرت

ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور یہ النعمت، صبر کرنے والوں ہی کو دی جاتی ہے۔"

"فرق دنیا" میں کنگھی کرنے والے اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے والے فرصت نکال کر قرآن کا مطالعہ کریں اور بحث برائے بحث میں تضیع وقت نہ کریں۔

---



---